بلوچی ثقافت پر مختلف مذاہب اور تہذیبوں کے اثرات

* ذوالفقار علی قیصرانی

* ڈاکٹر نورالدین جامی

لفظ بلوچ کے معنی و مفہوم

فارسی کی لغت ''برہان قاطع'' میں لفظ بلوچ کے درج ذیل معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ''مرغ کی کلغی'' تاج یا ایک خاص غیر متمدن لوگوں کا نام جو ''کرمان'' کی سرحد پر پہاڑوں میں مقیم ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حجازی عربوں کی نسل سے ہیں اور ان کا پیشہ لڑائی بھڑائی اور خون ریزی ہے''(1)۔

ایک دوسری لغت ''فرہنگ سروری'' میں یہ الفاظ رقم ہیں:

''بلوچ وہ لوگ ہیں جو صحرا میں رہتے ہیں اور قافلوں کو لوٹتے ہیں جنگجو اور اچھے تیر انداز ہوتے ہیں انہیں کوچ و بلوچ کہتے ہیں''(2)۔

رائے بہادر ہتورام لکھتے ہیں:

''وجہ تسمیہ لفظ بلوچ کی مردم رند سکنائے بلوچستان یہ کہتے ہیں کہ بعد غدر امام حسین رضی اللہ عنہ جس وقت میر احمد مدینہ سے کوچ کر کے کوہستان و دامان حلب میں آیا اور سکونت خود بمقام بروہ اختیار کی اس واسطے بہروچ ان کی قوم مشہور ہوگئی پھر رفتہ رفتہ بہروچ سے ''بلوچ'' مشہور ہوئی''(3)۔

خود رائے بہادر ہتورام کی رائے یہ ہے کہ:

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج، ڈیرہ غازی خان۔

* پروفیسر، شعبہ اسلامیات، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

''زبان حلبی میں بلوچ بادیہ نشن کو کہتے ہیں جو لوگ ہمیشہ صحرا اور دامن کوہستان میں خانہ بدوش رہنے والے ہوں ان کو بلوچ کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ کسی خاص قوم سے متعلق نہیں تھا۔ بہت مختلف قوموں پر یہ لفظ مستعمل ہوتا رہا۔ اب بھی چند مختلف قومیں اس بلوچستان میں ایسی رہتی ہیں جن کا نسب نامہ ایک دوسرے سے مختلف ہے لیکن تمام قوم بلوچ کہلاتے ہیں'' (4)۔

سردار خان بلوچ اپنی کتاب "History of Baloch Race & Balochistan" میں لفظ بلوچ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"The name Baluch has come to us after going through several changes both in pronunciation and script. The old kushite form had been "Baaloth or Bealoth. The Assyrian, Babylonian or Kaldian wrote and pronounced it as 'Belus or Baalos. The medieval Arabs termed it as "Balos or Balaj" and the persian name had been "Baluch"(5).

یعنی لفظ بلوچ تلفظ اور تحریر کی مختلف تبدیلیوں کے مراحل طے کرنے کے بعد ہم تک پہنچا ہے۔ قدیم کوش رسم الخط ''بعلوث'' یا ''بیلوث'' تھا۔ اسیریا، بابل اور کلدانی عوام نے اپنی تحریروں میں ''بیلوس'' یا ''بعلوس'' لکھا۔ قرون وسطیٰ کے عربوں نے ''بلوص'' یا ''بلوچ'' اور اہل فارس نے اسے ''بلوچ'' سے موسوم کیا ہے''۔

یہ نظریہ سب سے پہلے انگریز محقق سر ایچ راولنسن نے پیش کیا چنانچہ مسٹر راولنسن کی رائے میں:

''نام ''بلوچ'' بیلوس سے نکلا ہے۔ بیلوس بابل کے بادشاہ اور کلدانی سلطنت کے بانی مبانی تھے جن کا نمرود بن کوش کے نام سے مقدس حکم نامہ میں ذکر کیا گیا ہے'' (6)۔

جسٹس خدا بخش مری لفظ بلوچ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''ہر قوم، ہر قبیلہ، ہر شہر اپنے دیوتا، اپنے اپنے خدا بال کی پرستش کرتا تھا۔ انہیں ایک دوسرے سے ممیز کرنے کے لئے مختلف خطابات سے نوازا جاتا تھا۔ کلدانیوں کا دیوتا

بیلوس کہلاتا تھااور ان کا بادشاہ اپنے آپ کو نمرود بیلوس کہلوایا کرتا تھا۔ نتیجتاً اس کے پیروؤں نے بھی یہ نام اپنالیا تھا۔ شہروں اور دریاؤں کے نام بھی اسی دیوتا کے نام پر رکھے جاتے تھے۔ اس کے پیرو ''بیلوس'' کہلاتے تھے۔ جنہیں عرب مؤرخین نے ''بالوس'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ موجودہ زمانے میں پٹھان بھی بلوچوں کو ''بالوس'' ہی کہتے ہیں'' (7)۔

میر گل خان نصیر لکھتے ہیں کہ:

''نمرود بلوص کی موت کے صدیوں بعد جب کلدانی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور نسل ''برکوش''، بخت نصر اور دوسرے فاتحین کے حملوں کی تاب نہ لاکر پراگندہ اور منتشر ہوئی اور دجلہ وفرات کی وادی کو چھوڑ کر ان کو کوہستان ذگروس اور سطح مرتفع ایران کے بعض آباد وغیر آباد وادیوں، کوہستانوں اور صحراؤں میں پناہ لینی پڑی تو وہاں کے آریائی اور غیر آریائی باشندے ان کو اپنی اپنی زبانوں اور تلفظ کے مطابق مختلف نام دیتے رہے اور کہیں وہ ''برکوشی''، بلکوشی، کوشی یا کوچی کے نام سے مشہور ہوئے جو رفتہ رفتہ کوچ بنا اور کہیں ان کو ''بلکوچ''، بکچوس اور بلوچ کہا جانے لگا۔ جو بگڑتے بگڑتے بلوچ بنا۔ یہاں تک کہ اب بھی ان کے ہمسایہ افغان اور عرب ان کو ''بلوس'' یا ''بلوص'' ایرانی اور ہندی بلوچ کہتے ہیں'' (8)

کرنل ای موکلر اس لفظ کی ایک اور تشریح کرتا ہے:

''اس کے خیال میں بلوچ اصل میں ''بدروچ''، یعنی برے دن کی بگڑی ہوئی صورت ہے'' (9)۔

بلوچوں کا اپنا بیان ہے کہ:

''یہ لفظ ''بر۔لوچ'' کا بگاڑ ہے۔ بر بمعنی بیابان اور لوچ بمعنی برہنہ۔ نیز ان کی جدی روایت ہے کہ امیر حمزہ کا ایک بچہ پری کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ جو ایک لق ودق صحرا میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی اولاد کا جو سلسلہ چلا اسے ''برلوچ'' کہتے ہیں'' (10)۔

مولانا نور احمد فریدی لفظ ''بلوچ'' کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

''جب عمالقہ نے بنو اسماعیل کو مکہ مکرمہ سے نکالا تو ان کے چند قبائل شام کی مشہور وادی

''بلوص'' میں آ کر آباد ہوئے اور ''بلوص'' کہلائے۔ یہی بلوص جب فارس اور ارض روم کی طرف بڑھے تو ''بلوص'' کی ''ص''، ''چ'' میں بدل گئی اور یہ لوگ ''بلوص'' سے ''بلوچ'' بن گئے'' (11)۔

خلاصہ بحث

لفظ بلوچ کے بارے میں مختلف محققین اور مؤرخین کی متنوع آراء کے سبب ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس سکنی اعتبار سے ''بلوچ''، ''وادی البلوص'' کے رہنے والے تھے اس لئے یہ لوگ بلوص اور بعد میں ''بلوچ'' کہلائے۔ نسبی اعتبار سے بلوص نمرود کا لقب تھا اور نمرود بابلی سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا اس کے پیرو بھی بیلوص کہلائے۔ جب یہ بیلوص فارس اور ارض روم کی طرف بڑھے تو بلوص کی ''ص''، ''چ'' میں بدل گئی اور یہ لوگ بلوص سے بلوچ بن گئے۔ لفظ بلوچ کا مخرج ''بلوص'' کی ہے۔

پس منظر

تحقیقی طور پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بلوچوں کا ابتدائی وطن شام میں ''حلب'' ہے۔ تمام بلوچی روایات اور شاعری بھی حلب میں واقع شام کو بلوچوں کا اصل وطن ظاہر کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں سر طاس ہالڈک اور دوسرے متعدد مؤرخین بلوچوں کو عربی النسل خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''بلوچ'' عرب سے ہجرت کر کے ایرانی سرحدات پر آباد ہوئے اور پھر یہاں سے کرمان سیستان اور مکران سے ہوتے ہوئے سندھ اور پنجاب میں پھیل گئے'' (12)۔

میر گل خان نصیر اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ:

''یہ قوم ''بلوچ'' زمانہ قدیم میں عربستان میں دجلہ و فرات کی وادیوں اور حلب کے مرغزاروں میں ایرانی سرحد کے ساتھ آباد تھی اور ایران میں تبریز سے کوہ البرز کے دامن پر مشہد تک پھیلی ہوئی تھی'' (13)۔

Y کروموسوم کی جینی ساخت (Genetic Constitution) یعنی ڈی این اے کی بدولت مختلف انسانی

نسلی گروہوں (Ethnic Groups) کے Origin کی نشاندہی ہوتی ہے۔

راحیل قمر وغیرہ نے اپنے مقالہ (Am. J. Hurn Genet, 2002) میں لکھا ہے کہ بلوچ قبائل اپنے Y کروموسوم کی جینی ساخت کے اعتبار سے شام (حلب) کے لوگوں سے مماثلت رکھتے ہیں:

> "**Qamar et al 2002**: Suggested that origin is in Syria. Syrians like Iranians are characterized by a low frequency of haplogroup 3 and high frequency of haplogroup 9 (9% and 57%) respectively"(14).

> "**But Hammer et all (2000)** found that Baluch make a predominantly Syrian origin for their Y-Chromosome" (15).

''تاریخ عالم میں سرزمین بلوچ غیر معمولی تاریخی، سیاسی اور جغرافیائی اہمیت کی حامل رہی ہے اور یہ خطہ صدیوں سے بیرونی طاقتوں، حملہ آوروں اور فاتحین کی آماجگاہ رہا ہے۔ مخصوص جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے اس کی اہمیت رہی ہے کیونکہ اس کے ایک طرف 471 میل طویل ساحل ہے تو دوسری طرف درہ بولان اور درہ مولا جیسی قدیم گزرگاہیں ہیں۔ خشکی کا قدیم راستہ لسبیلہ اور مکران بھی ہے۔ اس لئے اس سرزمین کی زبردست تجارتی اہمیت رہی ہے۔

اہم بین الاقوامی شاہراہیں اس کے شمالی حصہ میں بمقام قلات آ کر ملتی تھیں۔ مشرقی ایران اور جنوبی افغانستان کے تجارتی راستے کا اتصال بمقام قلات ہوتا تھا یہ شاہراہیں قلات شاہراہ کہلاتی تھیں'' (16)۔

ان گزرگاہوں سے گزرنے والوں نے جہاں بلوچستان پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں وہاں پوری دُنیا کو اس کی جغرافیائی وسیاسی اہمیت کا احساس دلایا ہے۔ تجارتی، فوجی اور سیاسی اہمیت کی وجہ سے یہ خطہ متنازعہ رہا ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے مختلف ادوار میں بیرونی حملہ آور اور مقامی فرمانروا آپس میں لڑتے رہے اور جو فتح یاب ہوا اس نے حکمرانی کی۔ تاریخی طور پر یہاں منظم حکومتیں بھی رہی ہیں۔ مختلف ادوار میں مصلحین نے اپنے اپنے مذاہب کا پرچار بھی کیا۔ نتیجتاً اپنی تہذیبوں اور ثقافتوں کے ایسے نقوش چھوڑے جنہوں نے بلوچ کلچر کو متاثر کیا۔

قدیم حملہ آور حکمران

ماد دور: '853ق م تا550ق م"

بلوچ معاشرہ پر قدیم مذاہب اور ثقافتوں کے اثرات کا جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ قدیم عہد میں یہ خطہ کن حکمرانوں کے زیر تسلط رہا۔ ذیل میں اس حوالے سے مختصراً بحث کی جائے گی۔ میر نصیر خان احمد زئی کے مطابق:

''853ق م میں سلطنت ماد کا قیام ہوا اور یہ سلطنت اپنے بادشاہ کیقباد کی سرپرستی میں ترقی کر کے وسیع طاقت ور سلطنت میں تبدیل ہو گئی۔ خاندان ماد کے فرمانرواؤں نے بلوچستان پر تقریباً تین سو سال تک حکمرانی کی یعنی (854ق م سے 550ق م تک) چھ حکمران رہے۔ آخری حکمران آزادیاک تھا جو عیش و عشرت کی وجہ سے اپنی سلطنت کو نہ بچا سکا۔ اور ہنخامنشی خاندان نے صوبہ فارس پر قبضہ کرلیا'' (17)۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل دشتی البوشہری لکھتے ہیں:

''ماعہد میں اور آزدیاک کے دَور میں حکومت (584یا585 سے 549یا550ق م تک) بلوچستان کی ریاست سرزمین بارکان یا احباس سیوی کے نام سے قائم تھی اور یہ مشرقی ساتراب یعنی صوبے کا حصہ تھی'' (18)۔

ایران کی تاریخ کا آغاز نویں صدی قبل مسیح سے ہوتا ہے جب آریا نسل میڈیا میں آباد ہوئی یہ لوگ ماد کہلائے۔ ان کا آخری بادشاہ آستیاکس تھا جس پر ہنخامنشی خاندان کے کورش اعظم نے فتح پائی'' (19)۔

ملک سعید احمد دھوار شاہنامہ فردوسی کے حوالے سے اس دور کے سیاسی حالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایران کے کیانی بادشاہ کیخسرو نے فغفور، چین اور شاہ مکران کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کی اطاعت گزاری کا دم بھر کر خراج دیا کریں۔ فغفور چین کی طرف سے اطمینان بخش جواب ملا لیکن شاہ مکران نے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں کیخسرو نے مکران پر

فوج کشی کی۔شاہ مکران جنگ میں کام آیا اور ایرانی فوج نے مکران کو خوب تاخت وتاراج کیا۔مکران میں جو روایات مشہور ہیں ان کی بنا پر گمان یہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ علاقہ کیکاؤس کیخسرو، گشتاسپ، ہما اور دراب کے زمانہ میں انہی ایرانی بادشاہوں کے زیر فرمان تھا'' (20)۔

ہخامنشی دور

''یہ دور 550ق م سے 330ق م تک رہا'' (21)۔

ہخامنش اس خاندان کا مورث اعلیٰ تھا جس کے نام کی وجہ سے اس خاندان نے ہخامنشی کے نام سے شہرت پائی۔دولت ہخامنشی کا بانی کرش بزرگ (Cyrus the Great) تھا جس نے 550ق م میں میڈیا کی سلطنت کو فتح کر کے اس خاندان کی بنیاد ڈالی۔کرش بزرگ اور داریوش اول بڑے باتدبیر بادشاہ گزرے ہیں جنہوں نے ایرانی سلطنت کو بڑی وسعت دی اور اپنی حکومت کو مشرق میں دریائے سندھ اور مغرب میں دریائے نیل تک بڑھا دیا۔سکندر اعظم نے 330ق م میں دارا سوم کو شکست فاش دی اور اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا'' (22)۔

مذہبی اور تہذیبی اثرات

''ان ادوار میں بلوچ ''آشورا'' یا ''آہورا'' کے پرستار تھے۔''ہور'' کے معنی آگ اور ''آ'' کا مطلب آیا۔ پس اس کے معنی ہوئے آگ سے آنے والا۔وہ حقیقت جو آگ سے دائمی ہے۔جب بلوچوں نے توران اور مکران میں سکونت اختیار کی تو انہوں نے اپنے مذہب کو رواج دیا۔کرد بلوچ دن میں تین بار آگ کی پرستش کرتے تھے۔وہ اپنی عبادت گاہ کو ''آرنیم'' کہتے تھے۔جس کا مطلب ہے آتش کدہ۔آتش کدہ کے معبد کو ''آری وان'' کہتے تھے۔ شہروں اور دیہاتوں میں آتش کدہ ہوا کرتے تھے۔بلوچ کردوں کے حکمرانوں نے دو بڑی عبادت گاہیں کیکان اور غزدار میں آرین زوراک اور آرین حلوان کے نام سے تعمیر کی تھیں جو کوہ زوراک اور کوہ صفوان کی چوٹیوں پر بنائی گئی تھیں'' (23)۔

''اس طرح نیچارہ اور پندران کے علاقہ میں کئی پہاڑوں ، چٹانوں اور قبرستانوں میں زرتشتی آثار موجود تھے۔ خاران اور ماشکیل میں بھی زرتشتیوں کے آثار اور قبریں اس خطے میں اس مذہب کی موجودگی کی دلالت کرتی ہیں۔ کوئٹہ میں حال ہی میں سرینا ہوٹل کی تعمیر کے دوران تہہ خانوں کے لئے کھدائی کے وقت ایسے آثار دریافت ہوئے جس سے زرتشتی معتقدات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ لہذا یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ بلوچ قبل از اسلام زرتشتی مذہب کے پیروکار تھے'' (24)۔

ان ادوار میں مکران زرتشتی مذہب کا مرکز رہا ہے یہ اثرات رسم و رواج میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان میں بالخصوص آگ کا احترام ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اب بھی کسی مجرم کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے گرم لوہے کی دہکتی ہوئی سلاخ کو ہاتھ پر اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر اس کا ہاتھ نہ جلے تو اس کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے یا آگ کے دہکتے ہوئے انگاروں میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے معتقدات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً آگ میں تھوکنے کو مکروہ اور معیوب سمجھا جاتا ہے۔ چولہے میں پانی پھینکنے کو رزق کی کمی کا باعث تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر عورت دودھ گرم کر رہی ہو تو دودھ کے نیچے سے کسی ایک چنگاری بھی اُٹھانے کی اجازت نہیں دے گی۔ کیونکہ اس طرح دودھ کی برکت ختم ہونے کا خدشہ ہے۔ رات کے وقت آگ کو گھر سے باہر نکالنا یا کسی کو دینا برا شگون ہے۔ بلوچ معاشرے میں ''آس آف'' کی عدالت باقاعدہ ادارہ ہے۔

ڈاکٹر شاہ محمد مری لکھتے ہیں کہ:

''بلوچوں میں سفید کپڑے پہننے اور لمبے لمبے بال رکھنے کے اثرات قدیم پارس کے ہیں۔ زرتشترا (سنہرا اُونٹ) خلط ملط ہو کر زرتشترا بنا جو زرتشتیوں کا پیغمبر ہے۔ زرتشتی آگ پرست تھے۔ اس کے علاوہ یہ سورج اور چاند کی پوجا کرتے تھے یہ مالدار اور بااثر مذہبی ادارہ تھا۔ زرتشتی مولوی اور وڈیرے سفید لباس پہنا کرتے تھے'' (25)۔

شروع میں یہ لوگ خانہ بدوش تھے بعد میں سکونت اختیار کر کے کھیتی باڑی، باغبانی اور شجر کاری شروع کی اور پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے ایسے بند تعمیر کئے جنہیں دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔

گروگال نامک کے مصنف کے مطابق:

''یہ گوربند 854 تا 330 ق م تعمیر ہوئے۔ صوبہ بلوچستان کے سارا وان میں وادی گزک، نرمک، اوبدار، باڑی میں چھپر جم، جھالا وان میں سوراب سے لے کر وادی ہب تک گوربندروں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ بلوچی کہن یا کاریز زرتشتیوں کے دور کے طریقہ آبپاشی اور کاشتکاری کا پتہ دیتے ہیں۔ سام بور کا ٹیلہ جو مستونگ کے کاریز نوت میں واقع ہے اس قدیم دور کی یادگار ہے'' (26)۔

''بلوچستان میں کاریزوں کا رواج ایرانی دور میں شروع ہوا۔ مکران میں خسروی اور کاؤسی نامی کاریزیں ایرانی دور اقتدار میں ایجاد کی گئی تھیں'' (27)۔

''اس دور میں پیدل فوج کے تین سیکشن ہوتے تھے۔ ان میں ایک دستہ ''فلاخن انداز'' کہلاتا تھا، دوران جنگ دشمن پر لگاتار مخصوص وزن کے پتھروں کی باڑھ مارتا تھا۔ اس مقصد کے لئے فلاخن انداز کو میدان جنگ کے بلند مقام پر مورچہ بند کیا جاتا تھا۔ جہاں دشمنوں کو زد میں لے کر فلاخنوں کے ذریعے ان پر ایسی صحت اور مہارت کے ساتھ سنگ زنی کرتے تھے کہ نہ صرف ان کی پیش قدمی رک جاتی بلکہ اس ناگہانی بوچھاڑ کی تاب نہ لا کر پسپائی اختیار کرنی پڑتی'' (28)۔ اس ہتھیار کو بلوچ آج بھی استعمال کرتے ہیں۔ جنگی ہتھیار کے طور پر نہیں بلکہ پرندوں کو فصلات سے بھگانے کے حربے کے طور پر جس کو سرائیکی زبان میں ''کھنباڑیں'' کہا جاتا ہے۔

بلوچ طرزِ حکومت پر قدیم ایرانی حکومت کے اثرات واضح نظر آتے ہیں جو ایران کے قدیم شہنشاہوں کے عہدِ حکومت میں رائج تھا۔ بلوچ نظام قوم داری میں قدیم ایرانی منصب داری کی جھلک نظر آتی ہے:

''ایرانی حکومت، گورنری صوبوں، باجگذار ریاستوں اور شاہان ماتحت پر مشتمل ایک وفاق تھی۔ گورنری صوبوں کی ساری آمدنی مرکزی حکومت کے خزانے میں چلی جاتی تھی لیکن باجگذار ریاستوں اور شاہان ماتحت میں بعض ایسے تھے جن کی آمدنی کا نصف حصہ ماتحت

حکمران خود لیتے تھے۔ اور بقایا نصف حصہ شہنشاہ کو دیا جاتا تھا اور بعض موروثی حکمران کسانوں سے جو مالیہ وصول کرتے تھے سارا خود ہی لیتے تھے ان باجگذار ریاستوں اور شاہان ماتحت کا فرض منصبی تھا کہ وہ جنگ کی صورت میں شہنشاہ کو ایک معین تعداد لشکر اور سپاہی مہیا کرتے تھے۔ اسی طرز پر خوانین قلات کے دور میں سراوان، جھالاوان اور کچھی کے صوبوں کی ساری آمدنی خزانے میں چلی جاتی تھی۔ مکران اور لسبیلہ کی نصف آمدنی کا حصہ علاقائی سردار لیتے تھے جب کہ خاران کی ساری آمدنی علاقائی سردار لے لیتا تھا'' (29) ۔

''قدیم ایرانی عہد میں خاندان سورین کے افراد شہنشاہ کے سر پر اس کی تاج پوشی کے موقع پر تاج رکھنے کا حق رکھتے تھے'' (30) ۔ اسی طرح ممتاز خوانین کے دور میں ایک خاندان کو خان کی مسند نشینی کے موقع پر خان کے سر پر دستار رکھنے کا حق حاصل تھا۔

''بلوچ نظام خانوادگی ایرانی نظام خانوادگی کے حکام چہارگانہ سے ملتا جلتا ہے۔ ایرانی حکام چہارگانہ، حاکم خانہ، حاکم دہ، حاکم قبیلہ اور حاکم ولایت پر مشتمل تھا'' (31)۔

ملک میں سعید دھوار رقم طراز ہیں:

''بلوچ نظام خانوادگی حاکم تمن، حاکم دہ، حاکم قوم، حاکم استمان پر مشتمل تھا'' (32)۔

''قدیم ایران میں مرکزی حکومت کا نظم و نسق وزیر اعظم کے ماتحت ہوتا تھا جو 'ہزار بد' کہلاتا تھا وہ ملک کے داخلی اور خارجی امور میں وسیع اختیارات کا مالک تھا اور اہل زراعت کے طبقہ سے چن لیا جاتا تھا'' (33)۔

خوانین قلات کے عہد میں بھی وزارت کی یہی کیفیت تھی۔ وزیر اعظم وسیع اختیارات کا مالک تھا اور اہل زراعت کے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

یونانی دَور: (سکندر اعظم 330 ق م تا 323 ق م)

سکندر مقدونیہ کے حکمران فیلقوس کا بیٹا تھا۔ اس کے باپ نے اپنے دور حکمرانی میں ایشیاء کی فتح کا منصوبہ

بنایا تھا۔ مگر ملک الموت نے عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں دیا۔ یہ شہرت اس کے بیٹے سکندر کو نصیب ہوئی۔ سکندر پیلا کے مقام پر 356 ق م میں پیدا ہوا(34)۔

326 ق م کے موسم بہار کے اوائل میں صوبہ سرحد وارد ہوا اور اس کے انجینئروں نے دریائے کابل اور سندھ کے مل جانے کے مقام سے ذرا نیچے کشتیوں کا پل تعمیر کیا جہاں سے اس کی مہیب فوج گزر کا ٹیکسلا میں اپنا استقبال کرانے کے لئے گزریں(35)۔

سکندر نے پنجاب کے میدانی علاقوں کو فتح کیا اور سندھ میں داخل ہو کر بٹالہ (حیدر آباد) پہنچا۔ یہاں اس نے اپنی فوجوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ کو امیر البحر نیارکس کی سرکردگی میں سندھ کے دہانہ سے سمندری راستے سے ایران بھیجا اور دوسرے حصے کو لے کر اپنی کمان کے تحت جنوبی بلوچستان سے ہوتا ہوا بابل پہنچا۔ مکران اور لسبیلہ کے لوگوں نے اس کا راستہ روکا مگر سکندر کے سامنے نہ ٹھہر سکے۔ عین شباب کے عالم میں 32 سال کی عمر میں 323 ق م میں فوت ہوا۔ اس کی وسیع سلطنت اس کے جرنیلوں کے قبضے میں آ گئی اور انہوں نے آپس میں بانٹ لی۔

سلیوکس نکاٹر

"After the death of Alexander, between his generals, two had emerged and competitors for supereme power in Asia, Antigonos and Seleukos Nikator. In 312 B.C the latter recovered possession of Babylon, and within a period of six years became the lord of Central and Western Asia. The Eastern Provinces of his realms extended to the border of India and Makran was included in this possessions"(36).

"سکندرِ اعظم کی وفات کے بعد اس کے دونوں جرنیلوں انٹی گولوس اور سلیوکس نکاٹر میں ایشیاء کی حکمرانی پر کشمکش کا آغاز ہوا۔ 312 ق م میں سلیوکس نکاٹر بابل پر قابض ہو گیا اور چھ سال کے عرصے میں وسط ایشیاء اور مغربی ایشیاء پر حکمران ہو گیا۔ اس کے زیر قبضہ مشرقی صوبوں کی سرحدیں ہندوستان تک پہنچ گئیں اور مکران اس کے مقبوضہ علاقے کا حصہ بن گیا"

بقول پروفیسر اشرف شاہین قیصرانی:

''سکندر اعظم اور سلیوکس نکاٹر کے عہد میں ایسا کوئی حوالہ نہیں ملتا جس سے مذہبی آثار کی نشاندہی ہو سکے یا یونانی مذاہب کے اثرات کا پتہ چلایا جا سکے۔ اس کی وجہ غالباً یہی ہو سکتی ہے کہ سکندر ایک ایسا فاتح تھا جو ایک حملہ آور کی حیثیت سے آیا اور اپنے تہذیبی نقوش ثبت کئے بغیر چلا گیا'' (37)۔

سکندر اعظم کے حملے کو بے اثر قرار دینا تاریخ سے ناانصافی ہوگی کیونکہ دو قوموں اور تہذیبوں کے ٹکراؤ سے دور رس نتائج کا پیدا ہونا لازمی امر تھا اس حملے سے مندرجہ ذیل براہِ راست یا بالواسطہ نتائج پیدا ہوئے۔

1- سکندر نے مشرق میں متعدد نئے شہروں کی بنیاد رکھی جس میں اسکندریہ مصر زیادہ مشہور ہے اور پرانے شہروں کے نام بدل کر نئے نام رکھے اور نئی تہذیب کا مرکز بنایا۔

2- سکندر کا حملہ تاریخ میں سنین اور تاریخوں کے صحیح تعین میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ سکندر نے 226 ق م میں حملہ کیا۔ اس لئے اس سے پہلے اور بعد کے واقعات کے سنین کا صحت کے ساتھ اندازہ لگانا آسان ہو گیا۔

3- سکندر کو علوم و فنون میں دلچسپی تھی۔ یونانی علماء اور فضلاء کو اپنے ساتھ لایا اور انہیں مشرقی علوم کی ریسرچ پر مقرر کیا اور یونانی علم و ادب کو مشرق میں خوب پھیلایا۔

4- یونانی سکہ سازی میں ماہر تھے۔ ان کے سکے نہایت نفیس اور خوبصورت تھے۔ چنانچہ ان کی تقلید میں بعد کے حکمرانوں نے اعلیٰ پائے کے سکے بنانے شروع کر دیئے۔

5- اگرچہ سکندر کی وفات کے بعد یونانی اقتدار ختم ہو گیا لیکن یونانیوں کی خاصی تعداد یہاں آباد ہو گئی۔ اس سے آبادی میں ایک عنصر کا اضافہ ہوا اور سماجی زندگی متاثر ہوئی۔

6- سکندر کے حملے کا بالواسطہ اثر یہ پڑا کہ پنجاب اور سندھ کی حکومتوں اور جنگجو قبائل کی قوت کچل دی گئی اور چندر گپت موریہ نہایت آسانی کے ساتھ قابض ہو گیا۔

7- ''اشکانی حکمران اردوان اول نے تہذیب یونانی کے محافظ کا لقب اختیار کیا اور یہ لقب سکوں پر بھی کندہ تھا۔ دربار اشکانی پر بھی یونانی اثر موجود تھا۔ یونانی اداکاروں کی ایک کمپنی دربار میں یونانی کھیل دکھاتی تھی۔ اشکانی شاہزادے یونانی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ جب ایران سے سلوکیوں کا خاتمہ ہوا تو یونانی تمدن ختم ہو گیا'' (38)۔

8- سکندر نے وسطی ایشیاء کے میدانوں سے لے کر بلوچستان کے علاقے تک ایک بہت بڑے خطہ کو گزرگاہ بنا لیا اور اس پورے انجانے خطے کے نقشے بنا لئے۔ شہر اور بازار تعمیر کر کے تجارتی راستے کھول دیئے۔

9- سکندر کے حملوں اور فتوحات نے نسلوں کو باہم مخلوط کرایا۔ قبائل یہاں وہاں جا بسے۔ نظریات و کلچر کی موجیں باہم لین دین کرتی گئیں۔ مشرق اور مغرب کے درمیان مضبوط اور توانا رشتہ استوار رہا۔

10- ''یونانیت جیسے ترقی پسند عنصر کے عہد میں شہروں نے بڑی تیزی سے وسعت اختیار کی۔ شہر تجارت اور ترقی یافتہ صنعت کے مرکز بن گئے، علم و دانش کے چرچے بڑھے اور تہذیبی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا'' (39)۔

پروفیسر آرتھر کرسٹن کے بقول:

> ''سکندر اعظم اور ان کے جانشینوں نے مشرقی ایران میں جو نئی بستیاں بسائیں۔ وہ صدیوں تک ان دور دراز علاقوں میں تہذیب یونانی کا ملجا و ماویٰ بنی رہیں'' (40)۔

موریہ عہد (305 ق م تا 232 ق م)

305 ق م میں سلیوکس نکاٹر نے دریائے سندھ عبور کر کے ہندوستان پر حملہ کر دیا مگر مگدھا کے نوجوان راجہ چندر گپت موریہ نے اسے بری طرح شکست دی۔ صلح کی شرائط میں یونانی جرنیل نے اپنی بیٹی چندر گپت موریہ سے بیاہ دی۔ افغانستان اور بلوچستان بطور تاوان چندر گپت کو دے دیئے اور چندر گپت نے 500 ہاتھی تحفتاً دیئے۔

> ''چندر گپت موریہ کا 297 ق م میں انتقال ہوا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا بندوسارا 297 تا 232 ق م حکمران رہا۔ بندوسار کی وفات کے بعد چندر گپت کا پوتا (273 ق م تا 232 ق م) تخت نشین ہوا۔ اشوک اس خاندان کا سب سے بڑا نامور بادشاہ تھا'' (41)۔

خاندان موریہ کے مذہبی اور تہذیبی اثرات

''اشوک'' دیوتاؤں کا محبوب'' لقب والا یہ مشہور شہنشاہ بدھ مت کا جوشیلا پیروکار تھا۔اس نے بدھ مذہب کی تبلیغ کے لئے زبردست کوشش کی لیکن جبر سے کام نہ لیا۔اس نے بدھ مت کو ریاست کا مذہب قرار دے کر برہمنوں کے اقتدار پر کاری ضرب لگائی۔بدھ مت کے آثار چھلگری اور تمبو میں دیکھے گئے اور تمبو میں بدھ مذہب کی مہر بھی ملی ہے(42)

شاہ محمد مری کردگال نامک کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''موجودہ بلوچستان کا وہ علاقہ جو بولان کے پہاڑوں کے مشرق میں واقع ہے اور جسے کچھی کا علاقہ کہا جاتا ہے وہاں بدھ مت کے پیروکار رہتے تھے۔مگر باقی بلوچستان یعنی توران اور مکران میں بدھ مت کو لوگوں نے قبول نہیں کیا''(43)۔

گل خان نصیر کے بقول:

''ابھی تک بلوچستان میں سنائی جانے والی فوک داستانوں میں بدھ مت کے اثرات بڑے پیمانے پر ملتے ہیں''(44)۔

چندر گپت موریہ اور بندوسارا دونوں ہندومت کے پیروکار تھے۔ ہندومت کے اثرات بھی اس دور میں پائے جاتے ہیں۔

بقول ملک محمد سعید دھوار:

''بلوچستان میں ہندو کلچر کے اثرات اسی خاندان کے دور حکومت میں سرایت کر گئے تھے۔لسبیلہ میں ہنگلاخ کے مقام پر مہادیو کا استھان مستنگ میں شیو جی کا مندر اور مکران میں ستادیب کا استھان غالباً اسی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں''(45)۔

سکے کا راج بھی گپت خاندان کے دور اقتدار میں رائج ہوا جو ایرانی طرز پر بنائے جاتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں بلدیات کا قیام برطانوی دور اقتدار سے تعلق رکھتا ہے لیکن اس قسم کے شواہد موجود ہیں کہ موریہ دور میں بڑے بڑے شہر اور قصبات تعمیر ہوئے تھے ان میں صحت و صفائی، صنعت و حرفت، تجارت اور دوسرے امور میں نظم و نسق اور انصاف کے لئے بلدیاتی کونسلیں قائم تھیں۔

اشکانی دَور

ایران میں اشکانی سلطنت کا بانی ارشک تھا جس نے 250ق م میں پارتھیا (پارت) میں اپنی حکومت قائم کی تھی جو رفتہ رفتہ ایک بڑی سلطنت بن گئی۔ چونکہ ارشک یا اشک اس خاندان کا بانی تھا اسی لئے اس خاندان کا نام اشک پڑ گیا اور ارشک کا تعلق سوریں قبیلہ کے پارتی خاندان سے تھا یہ اشکانی یا پارتی بحیرہ کیسپین کے کنارے بود و باش رکھتے تھے یہ بڑے طاقتور اور جنگجو تھے (46)۔

تہذیب وتمدن

بت پرست تھے۔ آباؤاجداد اور ستاروں کا احترام کرتے تھے بعد میں دوسری قوموں کے عقائد بھی لے لئے اس کے علاوہ:

- بانی خاندان اشک یا ارشک اول کی پرستش کرتے۔
- خیر وشر کی باہمی مخالفت کو مانتے۔
- سورج کی پرستش کرتے۔
- دوسرے مذاہب سے مخالفانہ برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ ان کی عورتیں پردہ کرتی تھیں اور تعدّد ازدواج کا رواج تھا۔

اس خاندان کے بائیسویں بادشاہ بلاش اول نے زرتشت کی مذہبی کتاب اوستا کو از سرِ نو مرتب کیا جو سکندر اور اس کے جانشینوں کے عہد میں ضائع ہو گئی تھی (47)۔

نظام حکومت

بادشاہ مختار مطلق تھا۔ مشورے کے لئے دو مجلسیں ہوتیں ایک میں شہزادے شامل ہوتے اور دوسری میں اراکین سلطنت اور مذہبی پیشوا ہوتے تھے۔ بادشاہ کو تخت پر بٹھانے اور معزول کرنے کا اختیار بھی ان کو حاصل تھا۔

ساکا/کشاں/کوشانی حکمران (48)

کشان خاندان یوچی قبائل کی ایک شاخ تھی۔ ان کا اصل وطن مغربی چین تھا۔ یوچی قبائل میں کشاں قبیلہ نے دوسرے قبائل کو مغلوب کرلیا اور سب کو ماتحت کر کے مضبوط کشاں حکومت کی بنیاد ڈالی۔ کنشک اس خاندان کا تیسرا بڑا اور سب سے زیادہ شہرت یافتہ بادشاہ تھا۔ اس نے نہ صرف عظیم فاتح کی حیثیت سے نام پیدا کیا بلکہ مذہب، علم وادب اور فنون لطیفہ کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا اور اس طرح اپنے عہد کو شہرت بخشی (49)۔

میر نصیر احمد زئی نے 128ء کو کنشک کا سن تخت نشینی اور 162ء کو سن وفات قرار دیا (50)۔

مذہب

کشاں خاندان میں پہلے دو حکمران کدفیسس اول "Kadphises-I" اور ثانی دونوں مناظر فطرت کی پرستش کرتے تھے۔ لیکن کنشک بدھ مت کا پیروکار تھا اور ساری زندگی بدھ مت کی اشاعت میں گزار دی۔ بعض دیگر تاریخی شواہد مثلاً پشاور کے کتبے سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ بدھ مت کا پیروکار تھا (51)۔

بدھی روایات میں کنشک کو وہی مقام دیا گیا ہے جو اشوک کو حاصل تھا۔ بدھ مت قبول کرنے سے پہلے وہ بہت ظالم اور سفاک تھا مگر تبدیلی مذہب کے بعد اس کی زندگی میں انقلاب آ گیا زہد و تقویٰ اور اعتدال کی زندگی اختیار کی مگر اشوک کی طرح جنگ و جدل کو ترک نہیں کیا۔ اس نے مشہور بدھی بھکشو ''اشواگھوش'' کو خاص طور پر پاٹلی پتر طلب کیا اور خود بھی اس کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا (52)۔

بدھ مت کے آثار بلوچستان میں مختلف مقامات سے دریافت ہوئے ہیں۔ بلوچ محقق میر گل خان نصیر تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ بلوچوں کا طائفہ جو شئے کہلاتا ہے۔ بدھ بھکشوؤں کی نشاندہی کرتا ہے (53)۔

کنشک نے ایرانی، یونانی اور ہندی تہذیبوں کو یکجا کر دیا۔ اُس کے سکوں پر یونانی رسم الخط ہے مگر کتبے خروشتی میں پائے جاتے ہیں...... بعض سکوں پر اُسے بودھ یونانی لباس میں دکھایا گیا ہے۔ اس کا مذہب بدھ اور آتش پرستی کا مجموعہ تھا (54)۔

ہندی بادشاہوں کی روایات کے مطابق کنشک نے اپنا علیحدہ سن جاری کیا اس کے جانشین اسی سن کو استعمال کرتے رہے اس عہد کے سکوں اور کتبوں پر یہی سن ملتا ہے (55)۔

ہن قبائل

ہن قبائل نے کوشانی سلطنت کو ختم کر دیا جو زندگی کا آخری سانس لے رہی تھی۔ سفید ہن پانچویں صدی کے نصف آخر میں بلوچستان میں داخل ہوئے۔ ایرانی حکومت سے شکست کھانے کے باوجود ان کا زور بلوچستان میں نہ ٹوٹ سکا۔ یہ بلوچستان کے کوہستانی خطے میں دور دور تک پھیل گئے۔ انہی سفید ہون کی مناسبت سے یہ علاقہ عرب دور اقتدار میں توران کے نام سے موسوم ہوا (56)۔

سفید ہن بلوچ آبادی میں گھل مل گئے اور بلوچی زبان اختیار کر لی۔ بلوچستان میں سفید ہن کا بہترین نمائندہ مینگل قبیلہ ہے جو اب ایک ممتاز براہوئی قبیلہ شمار کیا جاتا ہے (57)۔

غلام علی نتکانی کے بقول:

> ''ملتان شہر کے عین وسط میں ہنوں کا چھجہ اور کوئٹہ بلوچستان میں ہنہ جھیل انہیں کی یادگاریں ہیں۔ ہن قبائل کے سردار تومان ہن کی مورتی قصبہ بارکھان ضلع لورالائی میں ایک پہاڑی پر موجود ہے۔ اس سے دو فرلانگ شمال کو ایک درہ ہے اسے ہن درہ کہتے ہیں اور اس درہ سے نکلنے والی ندی کا نام ہن ندی ہے'' (58)۔

ہن قبائل کے اختلاط سے جہاں آبادی میں ایک عنصر کا اضافہ ہوا اور نئی ذاتیں وجود میں آئیں وہاں اخلاقی معیار پست ہو گیا اور مذہب میں نئے خیالات اور توہمات داخل ہو گئے (59)۔

یہ قبائل بالکل وحشی اور غیر مہذب تھے جہاں بھی گئے بلا امتیاز عمارات کو نذر آتش کر دیا اور لوگوں کو تہہ تیغ کیا۔ خصوصیت کے ساتھ انہوں نے بدھ مت کی مقدس عمارات اور آرٹ کے نمونوں کو نہایت بے دردی سے ضائع کیا۔ اس طرح پاک و ہند آرٹ کے قیمتی سرمایہ سے محروم ہو گیا۔

ساسانی دَور

صوبہ فارس کے شہر ''استخر'' میں ایک معبد تھا جس کا موبد (پجاری) ساسان نامی شخص تھا۔ ساسانی خاندان اسی کے نام سے موسوم ہے۔ خاندان ساسان کے بادشاہوں کو کسریٰ بھی کہا جاتا تھا۔ اس ایرانی شاہی خاندان نے 226ء سے 651ء تک حکومت کی (60)۔

لیکن بلوچستان پر ساسانی بادشاہوں کی بالادستی خسرو پرویز 590ء تا 628ء تک رہی۔ خسرو پرویز کے دور حکمرانی میں ساسانی خاندان کے افراد کے درمیان رقابتوں کا سلسلہ عروج پر پہنچ گیا جس سے ساسانی سلطنت کی بنیادیں کمزور ہوگئیں۔ اس طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بلوچستان کے دونوں خطوں توران اور مکران پر رائے ساہیرس قابض ہوگیا اور اس طرح بلوچستان دوبارہ ہندوستان کا حصہ بنا۔

ساسانی خاندان کا مشہور و معروف بادشاہ نوشیرواں عادل تھا۔ اور آپ نے بادشاہ بننے پر ''نوشیرواں عادل'' اور انوشک ربان (روح جاوید) کے القاب حاصل کئے۔ دور حکمرانی 531ء تا 579ء تھا (61)۔

بلوچوں نے اس دور میں بغاوت کی۔ نوشیرواں کی فوجوں نے بلوچوں کی آبادیوں پر قیامت خیز حملہ کیا۔ اس خونریز کارروائی میں بلوچ لڑتے کٹتے ''کوہ البرز'' سے نکلے اور دو حصوں میں منقسم ہو کر مکران اور زابل سیستان پہنچے (62)۔

میر نصیر احمد زئی لکھتے ہیں:

> ''ساسانیوں کی بالادستی بلوچستان پر خسرو پرویز کے دور حکمرانی تک رہی.......... خاندان ساسانی کے افراد کے درمیان رقابتوں کا سلسلہ عروج پر تھا۔ جس نے سلطنت ساسانی کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سندھ کے حکمران (رائے ساہیرس) نے بلوچستان کے دونوں خطوں توران اور مکران پر قبضہ کرلیا اور انہیں اپنی قلمرو میں شامل کرلیا'' (63)۔

مذہبی اور تہذیبی اثرات

ساسانی حکمران زرتشت مذہب کے پیروکار تھے۔ ان کے مذہبی لیڈر کو "مغ" کہا جاتا تھا۔ مجوس (مغاں) دراصل میڈیا کے ایک قبیلے یا اس قبیلے کی خاص جماعت کا نام تھا۔ جب زرتشت مذہب نے ایران کے مغربی حصوں کو تسخیر کیا تو مغاں اصلاح شدہ مذہب کے روحانی پیشوا بن گئے (64)۔

اردشیر اول 226ء۔241ء نے مذہب زرتشت کو ملکی مذہب قرار دے کر تقویت دی اور "اوستا" کو تکمیل کی۔ یزدگرد دوم نے ارمنی رعایا کو زرتشتی مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا جس پر زبردست شورش برپا ہوئی۔ اس نے اس شورش کو سختی سے مٹا دیا اور بہت سے عیسائی قتل کر دیئے اور زرتشتی مذہب زبردستی ان پر ٹھونسا گیا۔ اسی طرح نوشیرواں نے مزدک اور اس کے ایک لاکھ پیرووں کو ایک ہی دن میں قتل کرا کے زرتشتی دین کو طاقت پہنچائی لیکن دوسرے مذاہب سے رواداری کا سلوک کیا (65)۔

ساسانی عہد میں مکران سلطنت ساسان کا حصہ تھا اور زرتشت مذہب کا سرگرم مرکز بھی رہا۔ میر احمد یار خان لکھتے ہیں:

> "محل وقوع کے اعتبار سے سرزمین بلوچ کا مضبوط تاریخی رشتہ ایک طرف ایران سے رہا جس نے بلوچستان میں ابتدائی زندگی اور ان کے عقائد پر گہرے اثرات مرتب کئے" (66)

ایران کا عدالتی نظام کلیۃً اس زمانے میں مذہبی تھا اور ملک میں زرتشتی شریعت کا نفاذ تھا۔ تمام فوجداری اور دیوانی مقدمات میں زرتشتی شریعت کے مطابق فیصلے کئے جاتے تھے اور سزائیں انہی مذہبی قوانین کے مطابق دی جاتی تھیں جو معمولی سزاؤں سے لے کر خطرناک جرائم میں موت ہو سکتی تھیں۔ ان شرعی عدالتوں میں کلیۃً علماء فائز تھے اور وہ "دادوار" کہلاتے تھے۔

پروفیسر آرتھر کرسٹن لکھتے ہیں:

> "ساسانی خاندان کے ابتدائی بادشاہوں میں یہ رسم تھی کہ سال میں دو دفعہ یعنی نوروز اور مہرگان کے موقع پر دربار عام کرتے تھے جس میں ہر خورد و کلاں کو حاضر ہونے کی اجازت تھی ....تب بادشاہ موبدان موبد (سب سے بڑا مذہبی عالم) کو حکم دیتا تھا کہ چند

قابل اعتماد آدمیوں کو دروازے پر کھڑا رکھے تاکہ کسی شخص کو اندر آنے سے نہ روکا جائے...... سب سے پہلے ان عرضداشتوں پر غور کیا جاتا جو خود بادشاہ کے خلاف ہوتی تھیں۔ بادشاہ موبدان موبد، ایران دبیر بدان (سلطنت کا رئیس) ہیربدان (آتش کدوں کا رئیس) کو بلاتا اور مدعی کے ساتھ ان کے سامنے پیش ہوتا اور موبدان موبد کے سامنے دوزانو ہو کر کہتا کہ بادشاہ کا گناہ خدا کی نگاہوں میں سب سے بڑا ہے کیونکہ خدا نے اس کو لوگوں کی نگرانی سپرد کی ہے تاکہ وہ ان کو ظلم سے بچائے اگر وہ خود رعایا پر ظلم کرنے لگے تو اس کے ملازمین آتش کدوں کو برباد کرنے اور قبریں کھود ڈالنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھیں گے۔ اے موبدان موبد میں ایک ادنیٰ غلام کی حیثیت سے تیرے سامنے بیٹھا ہوں جس طرح تو کل خدا کے سامنے بیٹھے گا اگر آج تو خدا کی طرف سے انصاف کرے گا تو خدا کل تیرے ساتھ انصاف کرے گا لیکن اگر تو بادشاہ کی طرف داری کرے گا تو خدا تجھے سزا دے گا۔ اس کے بعد شکایت کو سنا جاتا اگر بادشاہ کا قصور ہوتا تو اس کی تلافی اسے کرنی پڑتی ورنہ مدعی کو قید کر دیا جاتا اور عبرت ناک سزا دی جاتی'' (67)۔

ایران میں سچائی کو ثابت کرنے کے لئے گندھک ملا پانی پینا پڑتا تھا۔ اس لئے قسم اٹھانے والوں کے لئے لفظ ''سوگند خوردن'' کہا جاتا تھا۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ سوگند، سوغند میں تبدیل ہو گیا اور قسم یا حلف کے لئے ''سوغند'' کھانے کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

زرتشت مذہب کے اثرات کا ثبوت تو جزوی رسم و رواج ہیں جو بلوچ معاشرے میں موجود ہیں ان میں بالخصوص آگ کا احترام خاص مقام رکھتا ہے جو ماد اور کیانی ادوار کے اثرات میں بیان کر دی گئیں ہیں۔

طرزِ حکومت اور معاشرہ پر اثرات

اوستائے جدید جو ساسانی فرمانروا نوشیرواں عادل کے دور میں تکمیل ہوئی اس میں ایرانی سوسائٹی کے تین طبقوں کا ذکر ملتا ہے۔

- علماء مذہب (آزروان)
- سپاہی (ذاالیشتر)
- اہل زرعت (واستر یوفشونیت) اور یاسنا میں ایک اور طبقہ کا ذکر ملتا ہے۔
- اہل حرفہ (ہوئتی) جو دراصل اہل زراعت ہی کا ایک جزو ہے (68)۔

بلوچ معاشرے کی ترقی یافتہ صورت میں علمائے مذہب کا تصور مفقود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کا بلوچ معاشرہ سیکولر تھا لیکن اہل سادات کا طبقہ اس کے نعم البدل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ جو سوسائٹی میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس طرح سپاہی کے لئے لشکر، اہل زراعت کے لئے دہقاں اور اہل حرفہ کے لئے کاریگر بعینہٖ وہی تھے جس کا ذکر ایرانی سوسائٹی کے اجزاء کے زمرے میں اوستا جدید اور یاسنا میں ملتا ہے۔ اس معاشرے میں دہوار سے مراد بھی اہل زراعت طبقہ تھا۔

ساسانی عہد کے ایک کتبہ سے بھی درج ذیل طبقوں کا ذکر ملتا ہے شہرداران، داسپران وزرگان وازاذاں (69) بلوچ سوسائٹی میں بھی اس طرز کے طبقے تھے چنانچہ خوانین قلات کے دور میں بعض دستاویزات میں اسی قسم کے طبقوں کا ذکر ملتا ہے۔ شہزادگان، سرداران، معتبرین و معززین، ایران قدیم اور بلوچ نظام قوم داری کے دور میں مشابہت کا پایا جانا بعید از قیاس نہیں کیونکہ کسی ملک کا نظام حکومت اسی ملک کے معاشرے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

زبان جو ثقافت کا اہم جزو ہے۔ بلوچی زبان پر بھی فارسی زبان کے اثرات واضح نظر آتے ہیں کیونکہ بلوچ قبائل کی زندگی کا بڑا عہد ایران کے بحیرہ کیسپین کے اردگرد، کوہ البرز، سیستان اور کرمان کے علاقوں میں بسر ہوا۔ اس لئے بلوچی زبان میں فارسی کے الفاظ کثرت سے نظر آتے ہیں بلکہ معروف قول ہے کہ بلوچی اور فارسی ایک دوسرے کی جڑواں بہنیں ہیں۔ بلوچ قبائل اپنی قدیم ذاتی تحریریں اور بیرونی قبائل کے مابین تحریریں فارسی زبان میں لکھتے رہے۔

ملک محمد سعید دھوار لکھتے ہیں:

> ”بلوچ نظام قوم داری کے دوران بلوچستان کی دفتری زبان فارسی تھی اور ساری خط و کتابت فارسی میں ہوتی تھیں اور فرامین بھی فارسی زبان میں جاری کئے جاتے تھے جن پر خان کی مہر ثبت ہوتی تھی“ (70)۔

یہ بھی ایک حقیقت کہ بلوچوں کے لئے انگریزی سیکھنا مشکل رہا ہے لیکن فارسی آسان رہا ہے اس لئے کہ فارسی بذات خود بلوچی زبان کے بہت قریب ہے۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر اپنی تصنیف ''بلوچستان کی فارسی شاعری'' میں رقم طراز ہیں کہ:

''رابعہ خضداری بلوچستان کی قدیم فارسی شاعرہ ہوگزری ہیں۔قاضی نور گنجابوی جوگنداوہ کا قاضی تھا، ملا محمد حسن بلوچستان کی معروف شخصیت ہوگزرے ہیں۔ناطق مکرانی فارسی کے شاعر ہوگزرے ہیں۔بلوچ قبائل میں قبرستان میں قبر پر کتبے فارسی میں لکھنے کا رواج رہا ہے۔کوہ سلیمان کے بلوچ شعراء نے فارسی زبان میں متعدد اشعار میں پہیلیاں تخلیق کی ہیں۔قیصرانی قبیلے کے شاعر کی ایک پہیلی اس طرح ہے۔

یکے مرگ دیدم عجب آب سنگ۔ نہ دمب و نہ گوش ونہ پادونہ پر

نہ برآسماں اشت نہ زیرزمیں۔خودہر ہمیش آں گوشت آدمی (خیال،فکر،سوچ)'' (71)

عرب اثرات

بلوچ قبائل کی لوگ روایات عرب کے مختلف علاقوں کو اپنا وطن ظاہر کرتی ہیں۔بلوچی زبان میں عربی الفاظ کی موجودگی اور بہت سے دیگر رسوم ورواج عرب تہذیب وثقافت کی نشاندہی کرتے ہیں۔بلوچی محقق سردار خان بلوچ لکھتے ہیں کہ:

''جنات اور ارواح بد سے بچنے کے لئے بلوچ لوہے کی بنی ہوئی کوئی شے تلوار، خنجر یا چاقو نومولود کے تکیے کے نیچے یا شادی کی پہلی رات دولہا اور دلہن کے پاس رکھتے۔بت پرست عرب ایسا کرتے تھے اور یہ رسم آج تک بدستور قائم ہے'' (72)۔

عرب حیوانات کی ہڈیوں اور جگہ وغیرہ کو دیکھ کر غیب کا حکم لگاتے تھے۔بلوچ بھی بکرے کی اگلی ران کی چپٹی ہڈی کا بغور مشاہدہ کے بعد بادوباراں، مرگ حیات اور دیگر رونما ہونے والے واقعات کے متعلق پیش گوئی کرتے ہیں۔جسے ''برڑدست'' کہا جاتا ہے۔

عرب میں ایک یہ رسم بھی تھی کہ جب بچے کے دودھ کا دانت ٹوٹتا تو وہ اس دانت کو پہلی انگشت اور انگوٹھے سے پکڑتا جب سورج طلوع ہوتا تو اسے نشانہ بنا کر اس کی طرف پھینکتا اور کہتا ''اے آفتاب'' اس دانت کے بدلے مجھے بہتر دانت دے اور اس دانت کو لے لے اور اپنی شعاعوں میں تحلیل کر لے۔ بلوچ قبائل میں آج تک یہ رسم جاری ہے (73)۔

- بلوچ قبائل کی ثقافت میں ایسے اثرات موجود ہیں جو عرب تہذیب وثقافت سے جا ملتے ہیں۔
- قدیم عرب قبائلی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور قبیلہ کا معزز شخص سردار کہلاتا تھا۔ بلوچ قبائل بھی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور قبیلہ کا معزز شخص سردار کہلاتا ہے۔
- قبل از اسلام اہل عرب قبائلی تعصب اور کینہ رکھتے۔ آج کے بلوچ بھی قبائلی تعصب اور کینہ رکھتے ہیں۔
- اہل عرب تیراندازی اور شمشیر زنی میں مشہور تھے۔ بلوچ بھی نشانہ بازی اور شمشیر زنی میں مشہور ہیں۔
- مہمان نوازی اور سادگی عربوں کی نمایاں خصوصیت تھی۔ بلوچوں میں بھی دونوں صفات بدرجہ اتم موجود ہیں
- عرب خواتین پانی بھرنے کے لئے مشکیزہ استعمال کرتی تھیں۔ بلوچ خواتین بھی پانی بھرنے کے لئے مشکیزہ استعمال کرتی ہیں۔
- اہل عرب سر پر پگڑی باندھتے تھے اور مل جل کر کھانا کھانے کے عادی تھے۔ بلوچ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔
- اہل عرب جنگ وجدل گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑا کرتے تھے۔ اور باربرداری کے لئے اونٹ استعمال کرتے تھے۔ بلوچ بھی لڑائی کے وقت گھوڑوں پر سوار ہوتے اور باربرداری کے لئے اُونٹ استعمال کرتے ہیں۔ عربوں کی طرح بلوچ بھی شکار کے دلدادہ ہیں۔

خان بلوچ میر احمد یار خان لکھتے ہیں کہ:

> ''تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے بھی بلوچوں کے طرزِ معاشرت اور رسم ورواج عربی تہذیب وثقافت سے قریب تر ہے۔ لباس کی مماثلت، غیروں سے رشتے ناطے نہ کرنا، وفاداری، بہادری، مہمان نوازی، ایفائے عہد کی پختگی، رزم وبزم کے واقعات یہ سب قدیم عرب تہذیب وثقافت کے آئینہ دار ہیں'' (74)۔

عرب کے قدیم مذاہب یہودیت اور عیسائیت کے آثار کہیں نہیں ملتے۔ صرف کوئٹہ شہر میں عیسائیت کے پیروکاروں کی محدود تعداد موجود ہے۔ وہ بھی وہاں کے آبادکاروں میں مستقل باشندے نہیں ہیں البتہ قدیم عہد کا ایک حوالہ ملتا ہے کہ ''زکریہ قزوینی جس نے 1262ء تا 1275ء اسلامی علاقوں کا سفر کر کے سفرنامہ لکھا تھا۔ اس نے اس بات کی نشاندہی کی کہ بلوچستان کے شہروں میں بت خانے، ہیکل اور کلیسا موجود تھے (75)۔

ایک اور روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک حواری سینٹ تھامس بلوچستان کے وسطی علاقہ سے گزرے تھے جن کی تبلیغ سے سیستان کے ایک راجہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ پھر 1576ء سے 1629ء تک ایران کے صفوی خاندان کے شاہ طہماسپ اور شاہ عباس اعظم آرمینیا اور جارجیا کے عیسائیوں پر حملے کرتے رہے اور ان جنگوں میں لاتعداد عیسائی جنگی قیدی بنا کر لائے تھے اور بطور غلام فروخت ہوتے رہے۔ ان کی دوسری نسل نے ایران، افغانستان اور بلوچستان میں تجارت کا پیشہ اختیار کر لیا اور بعد میں مسلمان ہو گئے (76)۔

رائے خاندان

رائے خاندان کا صدر مقام سندھ کا مشہور شہر الور (ارو) جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر واقع تھا۔ تحفۃ الکرام کے مصنف کے مطابق:

> ''ملک کی حدود مشرق میں کشمیر و قنوج تک، مغرب میں مکران اور ساحل بحر عرب یعنی دیبل کی بندرگاہ تک، شمال میں سورت بندر اور جنوب میں قندھار، سیستان، کوہِ سلیمان، کردان اور کیکانان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ''رائے دیوائج'' اس خاندان کا بڑا جلیل القدر بادشاہ تھا۔ مذکورہ حدود میں مستقل طور پر حکمرانی تھی'' (77)۔

رائے دیوائج کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ''رائے ساہیرس'' تخت و تاج کا مالک بنا۔ پھر ''رائے ساہسی'' حکمران ہوا۔ ان کی وفات کے بعد رائے ساہیرس دوم جس پر نیمروز کے بادشاہ نے حملہ کیا۔ اچانک گلے میں تیر لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ ساہیرس دوم کے لشکر نے اسی کے بیٹے ''ساہسی دوم'' کو تخت پر بٹھا دیا۔ اس نے لگان کی بجائے اپنی رعایا کو چھ (6) قلعوں اُچ، ماتھیلہ، سیورائی، مٹو، الور اور سیستان کو مٹی سے بھر دینے کا حکم دیا۔

چچ خاندان

رائے ساہسی دوم بیمار ہوا اور 650ء کے قریب ساہسی دوم لاولد مر گیا تو چچ ''رانی لبھ دیوی'' کی مدد سے تخت پر قابض ہو گیا اور اس کے بعد رانی سے شادی کرلی۔ ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد چچ کے دل میں کرمان کی سرحد کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ چچ کرمان روانہ ہوا۔ مکران سے آگے بکر کے علاقے میں آ گیا۔ اس شہر میں ایک قدیم قلعہ تھا جس کا نام پنج پور تھا اور یہ اس جگہ تھا جہاں پنجگور ہے چچ نے اس قلعہ کو مضبوط کیا اور اس کی مرمت کا حکم دیا(78)۔

> پنجگور سے کوچ کرنے کے بعد اس نہر کے کنارے خیمہ زن ہوا جو مکران اور کرمان کے درمیان ہے۔ اس مقام کو اس نے مشرقی سرحد قرار دیا اور نہر کے کنارے کھجوروں کا ایک جھنڈ لگا کر اعلان کیا کہ یہ مکران اور کرمان کی سرحد پر کھجوروں کے درخت ہیں اور ان پر نشان لگا دیا کہ ''چچ بن سلائج بن بساس سندھ کے راجہ کے زمانے میں مقرر ہوئی۔ یہی حد اس وقت تک قائم ہے'' (79)۔

چچ نے چالیس (40) سال حکومت کی اور 690ء میں انتقال ہوا(80)۔

چچ کی وفات کے بعد اس کا بھائی رائے چندر تخت نشین ہوا۔ اس نے سات سال حکومت کی۔ 697ء میں اس کا انتقال ہوا اور اس کے بعد اس کا بھتیجا راجہ داہر تخت نشین ہوا۔

مذہبی اور تہذیبی اثرات

رائے اور برہمن خاندان کے وقت لوگوں میں مذہب کی بنیاد پر افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ رائے خاندان بدھ مت کا پیروکار تھا اور یہی حالت رعایا کی تھی مگر برہمن خاندان کے برسر اقتدار آتے ہی تعصب برتا جانے لگا اس طرح برہمن مت اور بدھ مت کی وجہ سے خلفشار بڑھ گیا۔ چچ ہندو تھا مگر اس کا بھائی چندر بدھ مت کا قائل تھا جب ایک ہی خاندان میں دو (2) مذاہب کے ماننے والے موجود ہوں تو مذہبی خلفشار کا پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ اس لئے جب سندھ پر عربوں نے حملہ کیا تو بدھ مت والوں نے عربوں کا ساتھ دیا کیونکہ ان سے اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔

ساہسی کی طرح چچ بھی ہندو مذہب کا پیروکار اور متعصب حکمران تھا۔اس کی رعایا جاٹ اور لوہانہ قبائل سے تعلق رکھتی تھیں اور بدھ مت کی پیرو تھی۔ان کا غرور توڑنے اور انہیں رسوا کرنے کے لئے چچ نے سخت شرائط عائد کیں۔

''چچ نامہ کے مطابق موہانہ کے جتوں کو ذلیل کر کے ان کے سربراہ کو سزا دے کر ان سے ضمانت لی اور قلعہ بند کر کے ان سے یہ شرطیں قبول کرائیں کہ:

- سوائے کچھ خاص مواقع کے کبھی تلوار نہیں باندھیں گے۔
- مخمل اور ریشم کے کپڑے نہیں پہنیں گے ان کے اوپر چادر خواہ سوتی ہو، لیکن نیچے کی چادر ضرور اُونی سیاہ یا سرخ رنگ کی ہوگی۔
- گھوڑوں پر زین نہیں رکھیں گے۔
- ننگے سر اور ننگے پیر رہیں گے۔
- گھر سے باہر نکلیں تو کتے اپنے ساتھ رکھیں گے۔
- برہمن آباد کے گورنر کے باورچی خانے کے لئے لکڑیاں فراہم کرتے رہیں گے اگر ان میں سے کوئی چوری کرتا تو ان کو بمعہ اہل وعیال آگ میں ڈال دیا جاتا تھا''(81)۔

یہی وجہ تھی کہ جب عربوں نے حملہ کیا تو وہاں کے مظلوم لوگوں نے عربوں کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر خوشی کے شادیانے بجائے اور گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔

سرزمین بلوچ پر ہندی اثرات آثارِ قدیمہ کے ذریعے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔مہر گڑھ (بلوچستان) کے آثارِ قدیمہ کا عہد ماہرین نے وادی سندھ کی تہذیب سے بھی تین ہزار سال قبل کا متعین کیا ہے۔اس تہذیب کے آخری دور میں دیوی اور دیوتاؤں کے مجسموں اور شیومت کی یونی علامات کا برآمد ہونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بلوچستان میں ہندومت کا عمل دخل اس عہد سے شروع ہوا(82)۔

اس کے علاوہ دو(2) اہم خاندان، سندھ کا رائے خاندان اور قلات کا سیوا خاندان حکمران رہے ہیں۔علاوہ ازیں قلات میں ایسی عبادت گاہ بھی موجود تھی جس کا دیوتا زوراک کہلاتا تھا۔بقول گل خان نصیر:

''محققین کی رائے میں زوراک وہی دیوتا ہے جسے ہندومت میں شیوا کہا جاتا ہے'' (83)

ایک منظوم کہاوت سے بھی ہندومت کے اثرات کا پتہ چلتا ہے کہ یہ اثرات کسی خاص علاقے تک محدود نہ تھے بلکہ پورے بلوچستان پر حاوی تھے۔

ست پہاڑ ستادیت میں، آٹھواں ہنگلاخ
کالی وسے قلات میں ، مہا دیو مستنگ
بڈھڑا جوگی شال میں، پانی ناتھ بلونت (84)

''ستادیب (بلوچستان کے ساحلی علاقے کا ایک مقام) ہنگلاخ (لسبیلہ) قلات ، مستونگ اور شال (کوئٹہ کا قدیم نام) کا ذکر کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ اندورن کوہستان متصل علاقہ سہران کے مقام پر ایک مشہور چشمہ ہے جسے ہندو ''نہادھری سر'' کہتے ہیں اور اسے تیرتھ کی حیثیت حاصل ہے (85)۔

رسوم ورواج میں بھی ہندومت کے اثرات نظر آئے ہیں۔ عبدالمجید سالک لکھتے ہیں کہ:

''مسلمان مردوں کو دفن کرتے ہیں۔ ہندو جلا دیتے ہیں پھر موت کے بعد رسوم شروع ہوتی ہیں۔ سوئم اور چہلم پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے اور ہندو بھی قریب قریب اس قسم کی رسوم کے پابند تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسوم مسلمانوں میں ہندوؤں کی طرف سے آئی تھیں کیونکہ ابتداء اسلام میں ان رسوم کا سراغ نہیں ملتا'' (86)۔

''بلوچ معاشرے میں شادی بیاہ کی رسوم میں بھی ہندوؤں کی کچھ رسوم کی جھلک نظر آتی ہے۔ شادی سے چند روز پہلے ایک رنگین دھاگا (گانا) دولہا کی کلائی پر باندھا جاتا ہے اور بھوت پریت سے بچنے کے لئے اسے ایک تلوار دی جاتی ہے گانا اور تلوار بندی کی رسوم پنجاب کے ہندو بھی ادا کرتے تھے یہ غالباً انہی سے مستعار لی گئی ہیں'' (87)۔ اس کے علاوہ ''رسم ریت بھت'' اور دھوتی باندھنا بھی ہندو اثرات کا نتیجہ ہے۔

مسلمانوں کا عہدِ حکومت

اسلام سے قبل بھی عرب برصغیر پاک و ہند سے آشنا تھے۔ عرب تاجر یمن سے بادبانی کشتیوں میں بلوچستان، سندھ اور جنوبی ہند کی مختلف بندرگاہوں میں تجارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ جنوبی ہند کے ساحل مالا بار اور ساحل کارومنڈل سے آگے بڑھ کر جاوا سماٹرا اور چین تک چلے جاتے تھے اور ان ممالک کے سامان تجارت کو مصر اور شام تک پہنچاتے تھے۔ جہاں سے دوسرے تاجر یورپ کے ملکوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ طلوع اسلام کے بعد عربوں کی سیاسی، اقتصادی، مجلسی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں اور تجارتی روابط بہت بڑھ گئے۔ رسول پاک ﷺ کے عہد میں مسلمان فاتحین کی بلوچستان میں آمد کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ عرب اور سندھ کے قدیم تعلقات تھے۔ اس لئے حضور پاک ﷺ اس خطہ سے واقف ضرور تھے۔ البتہ ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ:

> ''رسول اللہ ﷺ نے ہندوستان میں جہاد کرنے کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے اس میں شریک ہونے والوں کو نارِ جہنم سے مامون و محفوظ ہونے کی بشارت دی۔ امام نسائی نے اپنی سنن میں اسی حدیث کے لئے ''باب غزوۃ الہند'' کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے'' (88)

اگرچہ بلوچستان یا اس کے کسی علاقے کا نام کتب حدیث میں موجود نہیں لیکن بلوچستان سندھ و ہند کا حصہ رہا ہے۔ لہٰذا ان روایات کا اطلاق بلوچستان پر بھی ہوتا ہے۔ البتہ خلافتِ فاروقی رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے ہندوستان آنے کی مستند روایات موجود ہیں۔

عربوں کی فتح بلوچستان

عرب بلوچستان میں اس وقت وارد ہوئے جب برہمن کا اقتدار زوال پذیر ہو چکا تھا۔

معین الدین ندوی کے مطابق 23ھ بمطابق 644ء سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے یہاں کا فرمانروا راسل سندھ کے حکمران کی مدد لے کر مقابلہ میں آیا دریائے ہلمند پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی۔ حکم نے صحار عبدی کو نامۂ اعمال فتح اور مال غنیمت دے کر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے مکران کا حال پوچھا تو ان الفاظ میں وہاں کا نقشہ کھینچا

((ارض سهلها جبل وماء هاوشل وثمرها وقل عدوها بطل و خيرها شروشرها طويل والكثير بها قليل))

''مکران کی نرم زمین بھی پہاڑوں سے زیادہ سخت ہے۔ وہاں پانی کی قلت ہے۔ پھل بد ذائقہ ہیں۔ دشمن سخت جان ہیں وہاں بھلائی کم اور برائی زیادہ ہے۔ بڑی فوج چھوٹی معلوم ہوتی ہے اور چھوٹی فوج بیکار ثابت ہوتی ہے''۔

یہ بھیانک نقشہ سن کر آپ رضی اللہ عنہ نے حکم لکھ بھیجا کہ آگے پیش قدمی روک دی جائے (89)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مکران کی اس فتح کے بعد بلوچستان میں اسلامی فتوحات کا ایک سلسلہ چل نکلا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد تک جاری رہا۔

اسلامی فتوحات کا یہ سلسلہ عہد بنو اُمیہ میں بھی جاری رہا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں قصدار (خضدار) ارمابیل (لسبیلہ) اور لوقان (خاران) پہلی مرتبہ فتح ہوئے۔ اسی طرح قلات، قندابیل (گنداوہ) اور مکران میں بھی اس عہد میں تین مرتبہ لشکر کشی کی گئی۔ ان فتوحات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں بلوچستان کے اکثر مقامات زیر قبضہ آچکے تھے۔ عمال اور حکام بھی مقرر کئے جا چکے تھے۔ اموی خلیفہ ولید 705ء تا 713ء کے دور میں جزائر شرق الہند سے چند جہازوں میں مسلمان تاجروں کے خاندان، مال واسباب اور سراندیپ (لنکا) کے راجے کے تحائف کے ساتھ وطن واپس آ رہے تھے۔ چند بحری ڈاکوؤں نے جو غالباً مید قبائل سے تعلق رکھتے تھے لوٹ لیا اور عرب خواتین کو بھی پکڑ لیا۔ ان عرب خواتین نے عالم مایوسی میں فریاد کی یا حجاج، یا حجاج ''ہماری فریاد سنو'' ہماری مدد کرو، حجاج کو جب خبر ملی تو آپ نے فوراً لبیک لبیک۔ چنانچہ عراق کے نائب السلطنت حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو 93ھ میں بھیجا۔ محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد پورا بلوچستان عربوں کے زیر نگیں ہو گیا۔ جس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی عرب حکمرانوں نے حکومت کی۔ خطہ بلوچستان اسلام کی ابتدائی چار صدیوں میں مکمل طور پر اسلامی تعلیمات سے منور ہو چکا تھا۔

افغان اثرات

بلوچستان کی سرزمین سے افغانوں کا تعلق بہت قدیم ہے۔ افغانستان پر مختلف ادوار میں مختلف تہذیبوں، حملہ آوروں اور حکمرانوں کی یلغار رہی ہے۔ سرزمین بلوچستان پر پشتون قبائل کے مستقلاً آباد ہونے سے یہاں کی ثقافت پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ بلوچستان کا علاقہ گدروشیا (جھالاوان تا مکران) قندھار کی سلطنت کا حصہ بھی رہا ہے۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے دور میں تو بلوچستان کا دارالحکومت قندھار تھا۔ پشتون قبائل کا نسلی تعلق افغانستان ہی سے ہے۔ اب بھی بہت سے پشتون قبائل ایسے ہیں جن کا ایک حصہ بلوچستان میں ہے تو دوسرا افغانستان میں۔ دونوں اقوام کی صدیوں کی قربت نے ایک دوسرے کی ثقافت کو متاثر کیا۔

نصیر خان اول کے دور میں شہ غاسی کا عہدہ نادر شاہی دربار کے اثرات کا نتیجہ تھا۔ شہ غاسی کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دربار میں آئے وہ اس کو خان کے دربار میں پیش کرے اور ہر ایک کو اپنے اپنے درجہ پر دربار میں بٹھائے۔ یہ طریقہ نادر شاہی دربار سے لیا گیا(90)۔

بہت سے قبائلی نام بھی واضح افغان اثرات کے آئینہ دار ہیں۔ زئی پشتو لفظ ''زئے'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی بیٹا کا ہوتا ہے۔ زئی کا معنی نسل بھی ہے۔ افغان اثرات کے تحت بلوچوں کے مختلف قبیلوں کے ساتھ بھی زئی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً بنگلزئی ایک رند قبیلہ ہے۔ اس قبیلہ کی شاخوں میں بھی زئی استعمال کیا گیا ہے۔ شاملزئی، شاہلزئی، عمرزئی، شاہوزئی۔

زہری قبیلہ کی شاخیں علاؤالدین زئی، علی زئی، جوہر زئی، سید زئی، حلب زئی۔

ایران میں آباد بلوچ قبائل، اسماعیل زئی، احمد زئی، محمود زئی، جلال زئی اسی طرح ڈومیلی قبیلہ کی شاخ پیروزئی ہے۔ اسی طرح ڈیرہ غازی خان کے قیصرانی قبیلہ کو ہمسایہ پشتون قبائل قیصر زئی کہہ کر پکارتے ہیں۔ ''مُہور کے ذریعے مخالف فریقین کے درمیان صلح کرانے کا طریقہ جو قیصرانی قبائل میں رائج ہے افغان اثرات کا نتیجہ ہے۔

منگول (مغول) اثرات

چنگیز خان

چنگیز خان کا اصل نام ''تموجین'' تھا۔ مغول سلطنت کا بانی جو 1167ء میں دریائے اُنان ''اونان اونن'' (Onion) کے دائیں کنارے بمقام دیلون بولداق "Deli-un-Boldok" پیدا ہوا جو مشرقی سائبیریا کے موجودہ علاقے چند "Chita" میں واقع ہے (91)۔

چنگیز خان کا باپ یسوکای "Yestigei" قتلہ "Kutula" کا بھتیجا تھا۔ جو اصل مغولوں کا آخری خان یا حاکم تھا، جس کے نام پر آگے چل کر تمام مغول زبان بولنے والوں کا نام پڑا۔ مغول بارہویں صدی عیسوی کے پہلے نصف حصے میں مشرقی منگولیا میں غالب رہے (92)۔

چنگیز خان کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مقامی منگول سرداروں کو زیر کر کے تمام منگولوں پر مشتمل ایک سلطنت کی بنیاد رکھی جو ایران وخراسان کی خوارزم شاہی سلطنت کی حدود سے چین تک پھیلی ہوئی تھی اس واقعہ کے بعد قوم اسے چنگیز خان یعنی سردارِ اعظم کہنے لگی (93)۔

جہاں منگولوں کا لشکر جاتا تھا آباد بستیاں اور لہلہاتی کھیتیاں برباد ہو جاتی تھیں۔ بقول ''ہیرلڈ لمب'' جدھر سے منگولوں کا لشکر گذر جاتا تھا چیلوں، کوؤں اور بھیڑیوں کے سوا کوئی جاندار نظر نہ آتا تھا۔ بخارا، سمرقند، خیوا اور نیشاپور وغیرہ اسلامی تمدن کے مرکز بالکل تباہ و برباد ہو گئے (94)۔

جولائی 1226ء میں سوچاؤ اور کانسو کے شہروں پر اس کا تصرف ہو گیا اس کے بعد جو وہ تنکت کے پائے تخت ''ننگ ھیسا'' (Ninghisia) پر قبضہ کر کے اور بادشاہ کو قید کر کے چین کی طرف یورش کر رہا تھا تو اگست 1227ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ چنگیز خان کی قبر اب تک نا معلوم ہے (95)۔ منگولوں نے ہلاکو خان کی سرکردگی میں بغداد کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور ایشیاء کے تمام علاقوں پر قابض تھے۔ صرف سلطنت دہلی کسی حد تک ان کے متواتر حملوں کو روکنے میں کامیاب ہوئی تھی۔

ثقافتی اور تہذیبی اثرات

1206ء کی قورولتائی (مجلس) میں اپنے مخالفین کے طور پر چنگیز خان نے ایک خاص ''تومان'' بھی بنایا جو دس ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا یہ لوگ ایسے خاندانوں میں سے تھے جن کے بارے میں چنگیز خان کو ذاتی علم تھا۔ بالخصوص قبائلی اشراف کی اولاد سے منتخب کیئے گئے تھے......اس تومان کے دس ہزار آدمی ذاتی طور پر خان کے ماتحت تھے اور جب خان لڑائی پر جاتا تو یہ دستہ بھی اس کے ساتھ جاتا تھا(96)۔

- لفظ تمندار جو بلوچوں کے قبیلہ کے سردار کے لئے استعمال ہوتا تھا تومان سے اخذ کیا گیا ہے۔ بلوچی تمندار کے لئے دس ہزار کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ بلوچوں میں تمندار سے مراد سردار قبیلہ رہا ہے۔ جب بلوچوں اور چنگیزی حکمرانوں میں پورا اتحاد اور ہم آہنگی تھی تو بلوچوں نے ان کے کئی رسم ورواج اپنائے جن میں ایک تمندار بھی تھا۔
- جاموقہ سے کنارہ کش ہونے کے بعد مغول حکمرانوں نے تموجین (چنگیز خان) کو اپنا خان تسلیم کرلیا اور اسے چنگیز خان کا لقب دیا بعد میں وہ اسی لقب سے تاریخ میں مشہور ہوا(97)۔
- بلوچ، افغان، مغل اور راجپوت اپنے نام کے ساتھ ''خان'' استعمال کرتے ہیں لفظ خان کا استعمال منگول اثرات میں سے ہے۔
- چنگیز خان کی مجلس ''قورولتائی'' میں اور اس کے بعد کے اجتماعوں میں ادارہ سلطنت کے متعلق بہت سے قواعد وقوانین کا بھی اعلان کیا گیا جنہیں ترکی کی زبان میں منتقل کر کے ''یاسا'' یا لہجے کے فرق سے یا ''ساق'' کہتے ہیں..........وہ یقیناً قدیم معروف قوانین پر مشتمل تھا(98)۔

عبدالقادر لیغاری لکھتے ہیں کہ:

> ''یاسا'' یا طورہ چنگیزی کو 1200ء میں لاگو کیا گیا اور وقتاً فوقتاً اضافے چنگیز خان کی وفات 1227ء تک ہوتے رہے۔ ڈیرہ غازی خان پر جب انگریزوں نے قبضہ جمایا تو تمنداروں کے اجلاس میں ان سے پوچھا گیا کہ بلوچ قوم قانون شرعی پر عملدرآمد چاہتی ہے یا

قانون چنگیزی یعنی طورہ پر بدستور عمل کرنا چاہتی ہے۔ ان سرداروں نے طورہ کے حق میں رائے دی اور قیام پاکستان پر بلوچ اقوام پر قانون شرعی لاگو ہوا۔ اس سے پہلے وراثت میں بیٹی کو جائیداد غیر منقولہ میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا'' (99)۔

ڈیرہ غازی خان کے بلوچ قبائل میں قبیلہ کھتکانی اور لُنڈ نے ''تورہ'' کو قبول نہیں کیا بلکہ ان کے ہاں وراثت میں خواتین کو حصہ دیا جاتا تھا۔

- منگول جانوروں کی ہڈیوں سے شگون لیتے تھے۔ بلوچ بھی جانوروں کی ہڈیوں سے شگون لیتے ہیں جسے ''برُدست'' کہا جاتا ہے۔

شاہ محمد مری لکھتے ہیں کہ:

''تاریخ کے بہت بڑے خونی یعنی چنگیز خان کا عہد آیا تو 1223ء میں چنگیز خان کے بیٹوں میں سے چغتائی خان نے پورے بلوچستان پر قبضہ کرلیا۔ چنگیزوں کی گذرگاہ کی نشانیوں میں سے اب بھی نچارا اور پندران کے درمیان ''چنگیز خان کی چٹان'' موجود ہے۔ بلوچوں نے مشہور ڈش ''سجی'' انہی چنگیز خان کے منگولوں سے سیکھی'' (100)۔

خلاصہ بحث

سرزمین بلوچ مختلف حکمرانوں اور تہذیبوں کے زیر اثر رہی۔ ان کی ثقافت اور رسم و رواج مختلف تہذیبی اور مذہبی عناصر کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایران، عرب، افغان اور ہندوستانی ثقافتوں کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں البتہ قدیم مذاہب اور ثقافتوں کے اثرات بہت کم رہ گئے ہیں۔ قبائلی معاشروں میں اقدار و روایات بہت دیرپا ہوتی ہیں۔ لہذا ان اثرات کو ختم کرنے کے لیے طویل عرصہ درکار ہوگا کیونکہ انہی روایات پر قبائلی معاشرے کی بنیاد ہوتی ہے۔ بلوچ معاشرہ بھی ایک قبائلی معاشرہ ہے اسی لیے ان کی اقدار و روایات بہت بااثر ہیں۔ البتہ ان میں زیادہ تر پر تو اسلامی تعلیمات کا نظر آتا ہے۔ لیکن قدیم مذاہب اور تہذیبوں کے اثرات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

قادیانی اور ذکری مذہب کے بلوچ معاشرے پر اثرت

ڈیرہ غازی خان کے بلوچ قبائل پر قادیانی مذہب کے جزوی اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قیصرانی، بزدار، لنڈ اور لیغاری تمن میں اس کے اثرات نظر آتے ہیں معمولی تعداد میں ان قبائل میں لوگوں نے قادیانی مذہب کو قبول کیا۔ حکومت پاکستان نے 7ستمبر 1974ء کو انہیں اقلیت قرار دے دیا جس کے نتیجہ میں ان کا زور ٹوٹ گیا۔ وفاقی شرعی عدالت نے بھی قادیانیوں کے دونوں گروپس کو غیر مسلم قرار دے دیا۔ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ حسب ذیل ہے:

''1973ء کے دستور دفعہ 260 میں ذیلی دفعہ "3" کا اضافہ کر دیا گیا اور ایسے تمام اشخاص کو غیر مسلم قرار دیا گیا جو خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کی قطعی اور غیر مشروط ختم نبوت کا عقیدہ نہیں رکھتے یا محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم یا لفظ میں نبی ہونے کا دعویٰ کریں یا کسی ایسے مدعی نبی یا مذہبی کو مصلح مانیں۔ دوسروں کے علاوہ اس تعریف میں قادیانیوں کے دونوں گروہوں کو شامل کرتے ہوئے انہیں غیر مسلم قرار دیا گیا(101)۔

اس کے علاوہ حکومتِ پاکستان نے بھی 7ستمبر 1974ء کو انہیں اقلیت قرار دیا جو شخص اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا کہ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس پر مطلقاً اور غیر مشروط ختم ہوگئی۔ جو شخص رسول ﷺ کے بعد نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے خواہ وہ اس لفظ کو کوئی معنی پہنائے یا کسی رنگ میں مدعی نبوت ہو وہ اور جو شخص ایسے مدعی نبوت کو نبی یا مذہبی ریفارمر مانے۔ آئین اور قانون کی رُو سے مسلمان نہیں نیز یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ احمدیوں کی دونوں جماعتوں (قادیانی اور لاہوری) کو غیر مسلم کی فہرست میں شامل کیا جائے''(102)۔

ذکری مذہب

ذکری ''ذکر'' سے نکلا ہے چونکہ یہ لوگ نماز کی بجائے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں اسی لیے ذکری کہلاتے ہیں۔ اس مذہب کا بانی ''سید محمد جونپوری'' تھا۔ اس کے متعلق ابوالفضل ''آئین اکبری'' میں لکھتا ہے ''سید محمد جونپوری

سید بدھا اویسی کا بیٹا تھا وہ کئی پارساؤں سے فیض یاب ہوا جو روحانی اور مادی علوم میں ماہر تھے۔ ترنگ میں اس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا بہت سے پیرو ہو گئے اور بہت سی کرامات کیں وہ مہدی فرقے کا بانی ہے (103)۔ جب کہ موجودہ ذکریوں کے ہاں ملا محمد اٹکی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ جسے وہ اپنے مذہب کا بانی قرار دیتے ہیں۔

بلوچ محقق عبدالقادر لیغاری لکھتے ہیں کہ:

''ذکری مذہب کا بانی ملا محمد اٹکی 977 ہجری بمطابق 1569ء میں پیدا ہوا۔ وہ پنجاب کے ضلع اٹک کا رہنے والا تھا......... تربت (مکران) میں ملا مراد ایک با اثر شخص تھا جو اس کا حلقہ بگوش ہو گیا جسے اس نے اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ اسلامی ناموں کی طرز پر ایک درخت، کوہ مراد، میدانِ عرفات کے لئے کھل گیا ڈن، زم زم کے لئے کاریز ہزی مقرر کئے جو مقدس قرار پائے کوہِ امام غار حرا قرار پایا۔ جب ملا اٹکی وہاں سے رُوپوش ہوا تو اپنی چادر کو زمین میں اس طرح دفن کیا کہ اس کا ایک سرا زمین سے باہر رہا۔ مریدوں نے یہ مشہور کیا کہ مہدی ایک نور تھا اور آسمان پر چلا گیا'' (104)۔

میر گل خاں نصیر کوہِ مراد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''غالباً ذکریوں کے خلیفہ اوّل ملاں مراد کے نام منسوب ہے۔ جس کے عین اوپر ایک سیاہ پتھر ہے جس کے گرداگرد ذکری طواف کرتے ہیں'' (105)۔

تاریخ میں اس نام کے دو حضرات کا پتہ چلتا ہے ایک سید محمد اٹکی اور دوسرے سید محمد جونپوری ہیں اور اکثر اوقات ان کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ اور نہ ہی اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ ذکری فرقے کا بانی ان دو میں سے تھا یا ان کا کوئی اور پیروکار تھا۔ ذکریوں کے پیشوا جو ''ملائی'' کہلاتے ہیں وہ بھی اس بارے میں معلومات نہیں رکھتے۔ ذکری ملاں فقط دو کتابوں ''سفر نامہ مہدی'' اور ''تردید مہدویت'' کا ذکر کرتے ہیں لیکن یہ کتابیں کہیں دستیاب نہیں ہیں۔ وہ قرآن مجید کو اپنی دینی کتاب تسلیم کرتے ہیں اور تلاوت بھی کرتے ہیں۔ قرآن کو دعی کہہ کر پکارتے ہیں اور اپنے آپ کو بھی دعی کا نام دیتے ہیں۔

عقائد

1- دستورِ محمدی ختم ہو چکا ہے اور مہدی نے ان کی جگہ لے لی۔

2- آنحضرت محمد ﷺ کا مقصد قرآن حکیم کی لفظی تبلیغ تھی۔ لیکن مہدی کے سپرد اس کی تاویل تھی۔

3- قرآن مجید کی آیت ﴿ ﴾ کا مطلب صرف ذکر ہے۔ نماز متروک ہو چکی ہے اور ذکر نے اس کی جگہ لے لی ہے۔

4- روزہ رکھنا فرض نہیں فقط ذوالحج کے نو دن کے روزے فرض ہیں اور دسویں کو قربانی بھی فرض ہے

5- زکوٰۃ کی بجائے 1/10 عشر کا ادا کرنا فرض ہے۔

6- کلمہ توحید کچھ بڑھا کر یوں پڑھتے ہیں:

7- اس دنیا اور اس کی چیزوں سے گریز کرنا چاہیے (106)۔

قلات کے عظیم حکمران میر نصیر خان نوری نے ذکریوں کے زور کو توڑنے کے لئے ان پر حملہ کر دیا اور ذکری تحریک کا زور ٹوٹ گیا اور اس تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ اس بارے میں میر احمد یار خان لکھتے ہیں کہ:

> ''میر نصیر خان کی خدمات کو سراہتے ہوئے سلیمان ترکی نے ان کو ''غازی الدین'' اور ''ناصر ملت محمدیہ'' کے خطابات سے نوازا'' (107)۔

ایس عثمان حسن لکھتے ہیں کہ:

> ''اس میں شک نہیں کہ شروع میں یہ مذہب کی بجائے ایک تحریک تھی جسے ہندوستان میں مہدوی تحریک کا نام دیا گیا۔ پندرھویں صدی میں یہ عروج پر رہی اور پھر اس کا زور کم ہو گیا۔ 1628ء میں اس تحریک کا آخری بار نام سنا گیا۔ مکران میں یہی تحریک ایک فرقے کی شکل اختیار کر گئی جو ابھی تک قائم ہے'' (108)۔

الغرض موجودہ دور میں یہ مذہب زوال پذیر ہے جو مذہبی تنظیموں اور جماعتوں میں اس مذہب کے خلاف تبلیغ کی اس کے علاوہ یہ مذہب غیر تبلیغی ہو کر رہ گیا۔ اور اس مذہب میں کوئی اور آدمی شامل نہیں ہوا۔ تعلیم کے اثر سے

ملاؤں کا زور بھی ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے یہ مذہب روز بروز انحطاط پذیر ہو رہا ہے۔

سرزمین بلوچ پر قدیم مذاہب، ثقافتوں اور تہذیبوں کے اثرات کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ خطہ مختلف حکمرانوں اور حملہ آوروں کی آماجگاہ رہا ہے۔ اس لئے اس خطہ میں زرتشت، ہندومت، بدھ مت اور عیسائیت اہم مذاہب رہے ہیں۔ لیکن اسلام کی عالمگیر تعلیمات کے مدمقابل قائم نہ رہ سکے۔ البتہ بلوچ معاشرہ جو خالصتاً قبائلی روایات واقدار پر عمل پیرا تھا ان میں زمانہ قدیم سے ایسی رسوم رائج تھیں جو اسلامی تعلیمات کے منافی تھیں۔ وہ رسوم دین اسلام کی اخلاقی تعلیمات سے ختم تو نہیں ہوئیں مگر بڑی حد تک کم ہو گئی ہیں۔ کچھ رسوم اب بھی باقی ہیں جو آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہیں۔ صرف وہی رسوم باقی رہ گئی ہیں جو شریعت کے خلاف نہیں تاہم قبائلی اقدار و روایات جو قبائلی معاشرے کی ضرورت ہیں اب بھی باقی ہیں۔

خلاصۃ البحث

لفظ بلوچ کا مخزن ''بلوص'' ہی ہے جو نسبی اعتبار سے نمرود کا لقب تھا اور سکنی اعتبار سے ایک وادی کا نام تھا جس میں بلوچ رہتے تھے۔ مختلف حملہ آوروں اور حکمرانوں کے سرزمین بلوچ پر حکومتوں کے دوران بلوچوں کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ خصوصاً زرتشت، ہندومت اور اسلامی تہذیب وثقافت کے اثرات بلوچ قوم پر نمایاں ہیں۔ سرزمین بلوچ پر اسلام کی آمد کے بلوچ قوم پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اسلام کی مضبوط تہذیب وثقافت نے بلوچ قوم پر سے دیگر مذاہب اور ثقافتوں کے اثرات کو ختم کر دیا۔ لیکن اب بھی کچھ اثرات باقی ہیں جو اتنے مضبوط اور دیرپا ہیں کہ اسلامی تہذیب وثقافت بھی ان کا وجود نہ مٹا سکی۔ قبولیتِ اسلام کے بعد قادیانی اور ذکری مذہب نے بلوچ معاشرے پر معمولی اثرات مرتب کئے۔ لیکن یہ دونوں مذاہب انحطاط پذیر ہیں جلد ہی ان کے اثرات ختم ہو جائیں گے۔ آج بلوچ قوم پختہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اسلام کے علاوہ اپنی روایات پر قائم ہیں۔ جو اسلام سے متصادم نہیں لیکن قبائلی معاشرے کے لئے ضروری ہیں۔

حواشی وتعلیقات

(1) التبریزی، محمد حسین بن کلاف، برہان قاطع، موسس اشارات امیر کبیر، تہران، 1982ء، جلد اول، ص 300-301

(2) جسٹس خدا بخش بجارانی، بلوچستان تاریخ کے آئینے میں، مترجم، پروفیسر سعید احمد رفیق، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1984ء، بار دوم، ص:23

(3) رائے بہادر، ہتورام، تاریخ بلوچستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1907ء، ص:24

(4) رائے بہادر، ہتورام، تاریخ بلوچستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1907ء، ص:25-26

(5) بلوچ، محمد سردار خان، بلوچ قوم کی تاریخ، مترجم پروفیسر انور رومان، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1980ء، بار اول، ص:15

(6) میر، گل خان نصیر، کوچ و بلوچ، گوشہ ادب، کوئٹہ، 1999ء، ص:88

(7) جسٹس خدا بخش بجارانی، بلوچستان تاریخ کے آئینے میں، مترجم، پروفیسر سعید احمد رفیق، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1984ء، بار دوم، ص:28-27

(8) میر، گل، خان نصیر، کوچ و بلوچ، گوشہ ادب، کوئٹہ، 1999ء، ص:89-88

(9) ماہنامہ، نوکیں دور، مارچ، اپریل 1993ء

(10) ڈیمز، لونگ ورتھ، بلوچ قبائل، مترجم، کامل القادری، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1979ء، بار اول، ص:38

(11) فریدی، نور احمد، بلوچ قوم اور اس کی تاریخ، قصر الادب رائٹرز کالونی، ملتان، 2003ء، بار دوم، ص:55-54

(12) فریدی، نور احمد، بلوچ قوم اور اس کی تاریخ، قصر الادب رائٹرز کالونی، ملتان، 2002، بار دوم، ص:54

(13) میر، گل، خان نصیر، تاریخ بلوچستان، قلاب پبلشرز، کوئٹہ، 2002ء، بار چہارم، ص:01

14- Qamar R, Ayub Q (2002) Y-Chromosomal DNA Variation in Pakistan, Am. J.Hum Gent 70:1107-1124.

15- Hammer MR, Redd A.J. Wood ET Bonner Mr. Jarjanazi H, Karafet T, Santach, ara-Benerecetti S, Oppenheim A, Jobling MA, Jenkins T, Ostrer H, Bonne-Tamir B (2000) Jewish and Middle Eastern non-Jewish Populationsshare a common pool of Y-chromosome beiallelic haplotypes. Proc Natl Accad Sci USA 97:6769-6774.

(16) احمد زئی، نصیر خان، تاریخ بلوچ و بلوچستان، بلوچ اکیڈمی، کوئٹہ، 1938ء، جلد اول، ص:54

(17) احمد زئی، نصیر خان، تاریخ بلوچ و بلوچستان، بلوچ اکیڈمی، کوئٹہ، 1988ء، جلد اول، ص:58-57

(18) ڈاکٹر، محمد اسماعیل دشتی، بلوچ تاریخ و عرب تہذیب، مترجم، محمد صادق بلوچ، فضلی سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، 1999ء، ص:106

(19) سید، قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ص:268

(20) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1985ء، ص:156

(21) احمد زئی، نصیر خان، تاریخ بلوچ و بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، 1988ء، جلد اول، ص:60

(22) پروفیسر، آرتھر کرسٹن سین، ایران بعہد ساسانیان، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی، 1941ء، ص:07

(23) مبارک علی، انڈرسٹینڈنگ پاکستان، پروگریسو پبلشرز، لاہور، 1992ء، ص:03

(24) جمالدینی، عبداللہ جان، پیش لفظ، بلوچستان تاریخ و مذہب، مصنف ڈاکٹر اشرف شاہین قیصرانی، ادارہ تدریس، کوئٹہ، 1997ء

(25) ڈاکٹر شاہ محمد مری، بلوچ قوم تخلیقات، لاہور، 2000ء، ص:394

(26) ڈاکٹر شاہ محمد مری، بلوچ قوم تخلیقات، لاہور، 2000ء، ص:66

(27) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1985ء، ص:708-707

(28) احمد زئی، نصیر خان، تاریخ بلوچ، بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، 1988ء، جلد اول، ص:207

(29) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1985ء، ص:708-707

(30) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1985ء، ص:710

(31) پروفیسر، آرتھر کرسٹن سین، ایران بعہد ساسانیان، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، انجمن اُردو (ہند) دہلی، 1941ء، ص:10

(32) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1985ء، ص:712

(33) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1985ء، ص:710

34- Cridle, J.W, the invasion of India by Alexander the great, Indus publications, Karachi, 1992, P.15.

(35) ایضاً،ص:04

36- Baluchistan through the ages (Selection from Government record)V.I Nisa Traders, Quetta, 1st Addition Published in Pakistan 1979, P.577

(37) ڈاکٹر،محمد اشرف شاہین قیصرانی، بلوچستان تاریخ و مذہب، ادارہ تدریس، کوئٹہ،1994ء،ص:255

(38) ایم فروخ احمد، تاریخ ایران قدیم، حاجی فرمان علی اینڈ سنز، لاہور، 1957ء،ص:55

(39) ڈاکٹر، شاہ محمد مری، بلوچ قوم تخلیقات، لاہور،2000ء،ص:74

(40) پروفیسر، آرتھر کرسٹن سین، ایران بعہد ساسانیان، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی، 1941ء، ص:25

(41) احمد زئی، نصیر خان، تاریخ بلوچ و بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ،1988ء، جلد اوّل،ص:66

(42) بلوچ سردار خان، اے لٹریری ہسٹری آف دی بلوچ، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ،1977ء، جلد اوّل،ص:401

(43) ڈاکٹر، شاہ محمد مری، بلوچ قوم تخلیقات، لاہور،2000ء،ص:76

(44) میر، گل، خان نصیر، بلوچی رزمیہ شاعری، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ،1979ء،ص:14

(45) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ،1985ء،ص:194

(46) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ،1985ء،ص:201

(47) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ،1957ء،ص:67

(48) احمد زئی، نصیر خان، تاریخ بلوچ و بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ،1988ء، جلد اوّل،ص:73

(49) ایس عبدالرحمٰن، رفیع اللہ خان، تاریخ پاکستان و بھارت، ایم۔آر۔ برادارز، لاہور،ص:183-184

(50) احمد زئی، نصیر خان، تاریخ بلوچ و بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ،1988ء، جلد اوّل،ص:73

(51) ایس عبدالرحمٰن، رفیع اللہ خان، تاریخ پاکستان و بھارت، ایم۔آر بردارز، لاہور،ص:168

(52) ایس عبدالرحمٰن، رفیع اللہ خان، تاریخ پاکستان و بھارت، ایم۔آر بردارز، لاہور،ص:168

(53) میر، گل خان نصیر، بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ،1989ء ص:232

(54) لیغاری، عبدالقادر، تاریخ ڈیری غازی خان، سلیمان اکیڈمی، ڈیرہ غازی خان، جلد اوّل،ص: 11

(55) ایس عبدالرحمٰن، رفیع اللہ خان، تاریخ پاکستان و بھارت، ایم۔آر۔ بردارز، لاہور،ص:189

(56) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1985ء، ص:225

(57) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1985ء، ص:227

(58) ہتکانی، غلام علی، مرقع ڈیرہ غازی خان، جمہوری کتاب گھر، تونسہ شریف، 1986ء، ص:49-48

(59) ایس عبدالرحمٰن، رفیع اللہ خان، تاریخ پاکستان و بھارت، ایم۔ آر۔ برادارز، لاہور، ص:224

(60) سید، قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ص:922

(61) سید، قاسم محمود، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ص:923

(62) ڈاکٹر، شاہ محمد مری، بلوچ قوم تخلیقات، لاہور 2000ء، ص79

(63) احمد زئی، نصیر خان، تاریخ بلوچ و بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، 1988ء، جلد اول، ص:74

(64) لیغاری، عبدالقادر، تاریخ ڈیرہ غازی خان، سلیمان اکیڈمی، ڈیرہ غازی خان، جلد اوّل، ص:119

(65) ایم فروخ احمد، تاریخ ایران قدیم، حاجی فرمان علی اینڈ سنز، لاہور، 1957ء، ص:79-75

(66) بلوچ، میر احمد یار خان، مختصر تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ، ایوان قلات، کوئٹہ، 1972ء، ص:25

(67) پروفیسر، آرتھر کرسٹن سین، ایران بعہد ساسانیان، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی، 1941ء، ص:397-396

(68) پروفیسر، آرتھر کرسٹن سین، ایران بعہد ساسانیان، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی، 1941ء، ص:126-125

(69) پروفیسر، آرتھر کرسٹن سین، ایران بعہد ساسانیان، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی، 1941ء، ص:128

(70) دھوار، محمد سعید، بلوچستان تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1985ء، ص:719

(71) روزنامہ، جنگ ملتان، 5/اپریل 2003ء

(72) بلوچ، محمد سردار، ہسٹری آف بلوچ ریس، اینڈ بلوچستان، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1958ء، ص:191

(73) راغب الطباغ، تاریخ افکار و علوم اسلامی، مترجم، افتخار احمد بلخی، ادارہ معارف اسلامی، کراچی، 1983ء، بار سوم، ص:37

(74) بلوچ، میر احمد یار خان، مختصر تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ، ایوان قلات، کوئٹہ، 1972ء، ص:30

(75) شاہوانی، رحیم داد، مولائی شیدائی، تاریخ قلات، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، 1983ء، ص:265

(76) شاہوانی، رحیم داد، مولائی شیدائی، تاریخ قلات، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، 1983ء، ص:264

(77) قانع، علی شیر، تحفۃ الکرام، مترجم، اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2002ء، باردوم، ص:13-12

(78) ڈاکٹر، شاہ محمد مری، بلوچ قوم تخلیقات، لاہور، 2000ء، ص:80

(79) بلوچ نبی بخش، چچ نامہ، مترجم، اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2002ء، باردوم، ص:64

(80) سید عبدالقادر، محمد شجاع الدین، تاریخ پاک وہند، حق برادران، لاہور، 1958ء، بار چہارم، ص:202

(81) بلوچ نبی بخش، چچ نامہ، مترجم، اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، 2002ء، باردوم، ص:64

(82) ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی، بلوچستان تاریخ و مذہب، ادارہ تدریس کوئٹہ، 1994ء، ص:260

(83) میر، گل خان نصیر، بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1989ء ص:232

(84) میر، گل خان نصیر، بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1989ء ص:232

(85) رائے بہادر، ہتورام، تاریخ بلوچستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1907ء ص:57

(86) سالک، عبدالمجید، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1982ء، بارسوم، ص:672

(87) پروفیسر، انور رومان، بلوچستان کے قبائل (ضلعی گزیٹیئر سے انتخاب)، بے نظیر پرنٹرز، کوئٹہ، 1991ء، حصہ دوم، ص:127

(88) مبارک پوری، قاضی اطہر، عرب وہند عہد رسالت میں، مکتبہ عازمین، کراچی، 1975ء، ص:152

(89) ندوی، معین الدین، تاریخ اسلام، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1948ء، حصہ اوّل، دوم، ص:148

(90) رائے بہادر، ہتورام، تاریخ بلوچستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1907ء ص:142

(91) سید، قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ص:715

(92) دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور، 1971ء جلد 7، باراول، ص:704

(93) سید عبدالقادر، محمد شجاع الدین، تاریخ پاکستان وہند، حق برادران، لاہور، 1958ء، بار چہارم، ص:411

(94) سید عبدالقادر، محمد شجاع الدین، تاریخ پاکستان وہند، حق برادران، لاہور، 1958ء، بار چہارم، ص:412

(95) دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور، 1971ء جلد 7، باراول ،ص:716

(96) دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور، 1971ء جلد 7، باراول ،ص:705

(97) سید، قاسم محمود، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ص:716

(98) دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور، 1971ء جلد 7، باراول ،ص:704

(99) لیغاری، عبدالقادر، تاریخ ڈیرہ غازی خان، سلیمان اکیڈمی، ڈیرہ غازی خان، جلداوّل ،ص:69

(100) ڈاکٹر، شاہ محمد مری، بلوچ قوم تخلیقات، لاہور، 2000ء، ص:90-89

(101) قادیانیوں کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ، مترجم محمد بشیر ایم اے، دارالعلم، اسلام آباد، ص:9-8

(102) پرویز غلام احمد، ختم نبوت اور تحریک احمدیت، طلوع اسلام ٹرسٹ، لاہور بارسوئم ،ص:192

(103) علامہ ابوالفضل، آئین اکبری، مترجم مولوی محمد فدا علی، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، جلد دوئم ،ص:338

(104) لیغاری، عبدالقادر، تاریخ ڈیرہ غازی خان، قسمانی آرٹ پریس، ڈیرہ غازی خان، 1990ء جلد دوئم ،ص:246-245

(105) میر گل خان نصیر، بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں، نساء ٹریڈرز، کوئٹہ، 1989ء ص:234

(106) بلوچستان کے قبائل (ضلعی گزیٹیئر سے انتخاب) مترجم، پروفیسر، انور رومان، بے نظیر پرنٹرز، کوئٹہ، 1991ء، حصہ دوم، ص:389

(107) میر احمد یار خان، ان سائیڈ بلوچستان، رائل بک کمپنی کراچی، 1982ء، ص:84

(108) بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) ایس عثمان حسن، بلوچستان رپورتاژ، علی پرنٹرز، لاہور، 1984ء، ص:275-274